رشید حسن خاں کی تدوین

ڈاکٹر محمد سعید

Abstract:

Rashid Hassan khan is plausible name of Urdu research and transfiguration. He had keen eye on the standard of research but basically he was an editor. He was a researcher whose editing skills are greater than research. There is not found any example of those standards in the history of Urdu even not any chance in the future which he sat through modified classical literature. So he is known for father of transfiguration. His editing services are introduced in this article.

بیسویں صدی کے نصف اوّل میں حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور سیّد مسعود حسن رضوی کے تدوین کردہ بعض متن اور تدوین کی روایت کے محض ابتدائی نقوش ہی نہیں بلکہ مثالی نمونے ہیں۔ خاص طور پر مولانا عرشی کی مرتبہ ''مکاتیبِ غالب'' تو تدوین کے جدید معیارات پر بھی پوری اُترتی ہے۔ اپنے معاصرین میں نسبتاً مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے تعداد اور معیار دونوں حوالوں سے تدوین کے اعلیٰ اور اچھے نمونے پیش کیے۔ ''مکاتیبِ غالب'' کے بعد ''انتخابِ غالب''، ''تاریخِ محمدی''، ''دستورالفصاحت'' اور پھر ''دیوانِ غالب نسخۂ عرشی'' کی صورت میں ان کی علمی کاوشیں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ جن کو بنیاد بنا کر تدوین کے رہنما اُصول بھی مرتب ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں ان ناموں میں اور اضافہ ہوتا ہے اور جس طرح تدوین کے میدان میں بیسویں صدی کے نصف اوّل میں زیادہ معتبر نام مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا ہے اسی طرح بیسویں صدی کے نصف آخر میں اپنے معاصرین میں سب سے معتبر نام رشید حسن خاں کا ہے۔ رشید حسن خاں ایسے محقق تھے جن میں تدوین کی صلاحیتیں تحقیق سے بھی بڑھ کر تھیں اور ان کو وہ استعمال میں بھی خوب لائے۔ کلاسیکی متون کی تدوین کے حوالے سے تعداد اور معیار دونوں لحاظ سے رشید حسن خاں اپنے استادِ معنوی مولانا امتیاز علی خاں عرشی پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں خدائے تدوین اور خاتم المدوّنین جیسے خطابات سے نوازا گیا۔ یا د

رہے کہ ایسے خطابات اور کسی مدوّن کے حصّے میں نہیں آئے ۔

طالب علموں کی نصابی ضرورتوں کے لیے اُردو کی بعض کلاسیکی کتابوں کو صحتِ متن کے ساتھ اور کسی متن کے معتبر نسخے کی بنیاد پر مرتب کرنے کا آغاز رشید حسن خاں نے مکتبۂ جامعہ نئی دہلی کے تعاون سے ۱۹۶۳ء میں کیا تھا۔تقریباً سال بھر کی محنت سے انھوں نے پہلے پہل ۱۹۶۴ء میں ''باغ و بہار'' کو مرتب کیا جو اسی سال شائع ہوئی ۔ یہ اور اس نوع کی اور متعدد کتابیں ان کے نیم تدوینی کاموں کی ذیل میں آتی ہیں ۔لیکن اس سے کم از کم یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ عملی طور پر کسی متن کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کا آغاز رشید حسن خاں نے ۱۹۶۳ء میں کیا تھا ۔

عملی تدوین سے رشید حسن خاں کی دلچسپی کا اوائل ۱۹۶۳ء کا ایک اور حوالہ بھی قابلِ ذکر ہے جس کو ان کی تدوین کا نقشِ اوّل کہا جا سکتا ہے ۔بحرلکھنوی کے ایک غیر مطبوعہ مختصر فارسی رسالے ''بحرالبیان'' کو انھوں نے اوائل ۱۹۶۳ء میں مرتب کیا جو انجمن ترقیِ اُردو کے سہ ماہی رسالے ''اُردو ادب'' کے مارچ ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا ۔اس طرح ۱۹۶۳ء سے اپنی وفات تک عمرِ عزیز کے بیالیس برس انھوں نے تدوین کے نظری اور عملی پہلوؤں کو دیے ۔ نتیجے میں تدوین کے معیار کو اتنا بلند کر دیا کہ اس سے آگے سوچا بھی نہیں جا سکتا۔خدائے تدوین رشید حسن خاں پہلے اور واحد مدوّن ہیں جو تدوین کو تحقیق سے آگے کی منزل قرار دیتے ہیں اور اس کو تحقیق سے الگ با قاعدہ ایک شعبۂ علم و فن کہتے ہیں ورنہ ان سے پہلے تدوین کو تحقیق کی ایک شاخ ہی قرار دیا جاتا تھا ۔تدوین کے بارے میں رشید حسن خاں نے اپنے اس نقطۂ نظر کو نظری مباحث میں بڑا واضح انداز سے بیان کیا ہے اور اپنی تدوین کے عملی نمونوں سے بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہر محقق ، تدوین کرنے کے قابل نہیں ہوتا ، مدوّن کا درجہ اس سے بلند ہے اور اس کو زیادہ آزمائشوں اور ذمہ داریوں کا سامنا ہوتا ہے ۔

رشید حسن خاں کی عملی تدوین کا پہلا مثالی نمونہ ''فسانۂ عجائب'' ہے ۔اس کتاب کو انھوں نے تقریباً ۱۹۷۸ء میں مرتب کرنا شروع کیا تھا ۔اس سے پہلے وہ اس کے تمام معلوم ضروری نسخے جمع کر چکے تھے ۔۱۹۸۰ء تک اس کے متن کا غالب حصّہ مکمل کر کے کتابت بھی کروا چکے تھے کہ پٹنہ سے انھیں ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) کا مصنف کا آخری نظر ثانی شدہ نسخہ مل گیا ۔اصول تحقیق کے مطابق اس کو بنیادی متن بنایا جاتا تھا ۔رشید حسن خاں نے اپنی پچھلی محنت پر پانی پھیرا اور اس نسخے کو بنیاد بنا کر نئے سرے سے متن کو مرتب کرنا شروع کیا ۔

رشید حسن خاں نے **فسانۂ عجائب** کے مفصّل مقدمے میں بنیادی اور ضروری معلومات کو درج کر دیا ہے ۔ان کا اصول یہ ہے کہ مقدمے کو زیادہ سے زیادہ اس متن کے متعلقات سے متعلق ہونا چاہیے ۔مصنف کی سوانح اور دیگر احوال بھی صرف وہی دیا جائے جس کا اس متن سے براہِ راست تعلق ہو ۔اس اصول کے پیشِ نظر کوئی ایسی بات معلوم نہیں پڑتی جو متن سے متعلق ہو اور رہ گئی ہو ۔اس طرح **فسانۂ عجائب** کے متن اور اس کے متعلقات کے مباحث کو بڑے جامع انداز سے سمیٹ لیا گیا ہے ۔رشید حسن خاں نے اس متن کی ترتیب و تدوین میں آٹھ نسخوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اُن کا مفصّل تعارف بھی کروایا ہے ۔ **فسانۂ عجائب** کے لیے انھوں نے بنیادی متن اس نسخے کو قرار دیا جو ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں شائع ہوا تھا اور ان کے مطابق یہ مصنف کا آخری نظر ثانی

شدہ متن ہے ۔اس کے بعد بھی اُن کی زندگی میں ''فسانۂ عجائب'' کے بعض ایڈیشن شائع ہوئے لیکن ان میں رجب علی بیگ سرور نے کسی طرح کا کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا۔

ناقدین اصول تدوین نے یہ طے کیا ہے کہ جب کسی متن کو مرتب کرنے کے لیے اس کے معتبر نسخے کو بنیادی متن قرار دیا جائے تو اس کی مکمل پیروی کرنا چاہیے اور باقی نسخوں کے متنی اختلافات کو اختلافِ نسخ میں ظاہر کرنا چاہیے۔رشید حسن خاں نے **فسانۂ عجائب** کی تدوین میں اس اصول کی سختی سے پابندی کی ہے (سوائے روشِ کتابت کے) کیونکہ اس اصول کو وضع کرنے والوں اور اس پر سختی سے کاربند رہنے والوں میں خود ان کا نام سرِ فہرست ہے ۔رشید حسن خاں اپنے مقدمے میں ''طریقِ کار'' کے تحت لکھتے ہیں :

> ''متن میں کسی جگہ تغیر و تبدل کو روا نہیں رکھا گیا ہے ۔سختی کے ساتھ اصل متن کی پابندی اختیار کی گئی ہے ــــــــــــــــــ اس خیال سے کہ یہ کتاب صحت کے ساتھ چھپے ، میں نے خود ہر کتابت شدہ صفحے کو پانچ بار پڑھا ہے''۔ (۱)

پرانے زمانے کی روشِ کتابت کی خواندگی اب مشکل ہی نہیں ناممکن ہو چکی ہے ۔ عام لوگ اسے پڑھ اور سمجھ نہیں سکتے ، بلکہ خاص لوگ بھی اس کی کئی تاویلیں اور تعبیریں کرتے رہتے ہیں ۔اس صورت میں اصول تدوین میں اس بات کا التزام کرنا لازم ٹھہرتا ہے کہ جس متن کو بنیاد بنایا گیا ہے ۔اُس کا روشِ کتابت اپنے عہد کے مطابق رکھا جائے اور مصنف کے عہد کی پیروی نہ کی جائے بلکہ بعض لوگ تو املا کے لحاظ سے بھی اس پر اصرار کرتے ہیں کہ اسے بھی جدید املا کے مطابق کر لیا جائے ۔رشید حسن خاں اس دوسرے اصول سے اتفاق نہیں کرتے ۔ان کا موقف یہ ہے کہ املا کے بارے میں مصنفین کے اپنے اختیارات ہوتے ہیں ۔لہٰذا متن اور املا دونوں کے حوالے سے منشائے مصنف کو ترجیح حاصل رہے گی ۔**فسانۂ عجائب** کی تدوین میں بھی انھوں نے اس پر سختی سے عمل کیا ہے بلکہ روشِ کتابت کو جدید دور کے مطابق رکھنے کے لیے بھی انھوں نے نہایت محنت سے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ بعض علامات اور حرکات کے ذریعے لفظوں کو عہدِ مصنف کے مطابق ظاہر کرنے میں بھی کامیاب رہے ہیں اور ان کی صورت جدید روش کے بھی مطابق رکھی ہے ۔اس کا اہتمام کر لینے میں قابلِ تحسین کام تو ان کے کاتب ابو جعفر زیدی نے انجام دیا جن کا انھوں نے بڑی محبت سے شکریہ ادا کیا ہے ۔لفظوں پر بعض علامات و حرکات اور اعراب سے عہدِ مصنف کے روشِ کتابت کا تعارف ہونے کے ساتھ ساتھ تلفظ کے بعض مسائل بھی بخوبی حل ہو گئے ہیں ۔رشید حسن خاں نے جن علامات سے کام لیا ہے ۔اس کی تفصیل انھوں نے اس طرح درج کی ہے۔وہ لکھتے ہیں :

> ''معروف ، مجہول، مخلوط اور غُنّہ آوازوں کے تعین کے لیے بہت سے مقامات پر علامتوں کا شمول ضروری ہوتا ہے ، اِسی طرح بعض نشانات بھی ضروری ہوتے ہیں ؛ اِسی بنا پر علامات اور نشانات کو شاملِ متن کیا گیا ہے ۔اُن کی تفصیل یہ ہے :
>
> (۱) درمیانِ لفظ واقع یاے معروف کے لیے، اُس کے نیچے چھوٹی سی کھڑی لکیر ، جیسے نِیل ،

مَیل، پِتر۔

(۲) یاے مجہول کے لیے اس کے حرفِ ماقبل کے نیچے زیر، جیسے مِیل، بِیل، دِیر۔

(۳) یاے لین [ماقبل مفتوح] کے لیے ماقبل پر زبر، جیسے مَیل، دَیر، غَیب۔

(۴) یاے مخلوط کے لیے اس پر آٹھ کے ہندسے کا نشان، جیسے: پیار، کیا، گیانی۔

(۵) واوِ معروف پر اُلٹا پیش، جیسے: دوٗر، حوٗر، طوٗر۔

(۶) واوِ مجہول کے لیے حرفِ ماقبل پر پیش، جیسے: چُور، گُور، ڈُول۔

(۷) واوِ ماقبل مفتوح کے لیے ماقبل پر زبر، جیسے: دَور، طَور، بَور۔

(۸) واوِ معدولہ کے نیچے خط، جیسے: خوٖزادہ، خوٖیش، فراموٖش کمال۔

(۹) درمیانِ لفظ واقع نونِ غُنّہ پر قوس کا اُلٹا نشان، جیسے: آنت، کھونپ، کھانڈ۔

(۱۰) تخلص پر متعارف نشان ضرور لگایا گیا ہے، جیسے: ناسخ، سرور، سوز۔

(۱۱) خاص ناموں پر خط کھینچا گیا ہے، جیسے: دہلی، فسانۂ عجائب، تختِ طاؤس، نصیرالدین، دل کشا"۔ (۲)

رشید حسن خاں نے متن میں لفظوں پر اعراب اور رموزِ اوقاف کا مکمل اہتمام کیا ہے لیکن ان علامتوں کی بھر مار نہیں ہونے دی۔ ان علامتوں کو صرف اُن مقامات پر شامل کیا گیا ہے جہاں ان کا شمول ضروری سمجھا گیا۔" فسانۂ عجائب" کے متن کی ترتیب میں رموزِ اوقاف، اعراب اور ان علامات کے اہتمام سے اس مشکل عبارت کی خواندگی واقعتاً آسان ہوگئی ہے البتہ ان علامات میں سے خاص ناموں کو خط کشیدہ کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

"انھوں نے اسمائے معرفہ یعنی علم کے اوپر خط کے کھینچا ہے۔ میری رائے میں قطعاً غیر ضروری ہے۔ انگریزی میں کتابوں کے نام ترچھے حروف Italic میں چھاپے جاتے ہیں۔ مصنف اپنے مسودے میں کتاب کے نام کے نیچے خط کھینچ دیتا ہے پریس کے کمپوزیٹر کے لیے اشارہ ہوتا ہے کہ اس لفظ کو ترچھے حروف میں چھاپا جائے۔ باقی اعلام کو خط کشیدہ نہیں کیا جاتا۔ خاں صاحب اپنی تحریروں میں اشخاص اور کتب کے ناموں کے اوپر خط کھینچتے ہیں۔ وضاحت کو اس کی ضرورت نہیں، بدنمائی ضرور پیدا ہو جاتی ہے"۔ (۳)

ایسے اسمائے معرفہ کو خط کشیدہ کرنے کی اپنی اہمیت اور افادیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ متن کی خواندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کے لیے رشید حسن خاں کے ایسے التزامات کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر شمس الحق عثمانی لکھتے ہیں:

"یہ بات چند لفظوں میں بہ آسانی ادا ہو جائے گی کہ مرتب نے متن میں اعراب، رموزِ اوقاف اور ضروری مقامات پر لفظوں کے درمیان فصل کا التزام کیا ہے ـــــ مگر یہ کام کتنا دشوار تھا

۔اس کا اندازہ کرنا چاہیں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس متن کا کوئی سا بھی صفحہ، مذکورہ التزامات سے قطع نظر، نقل کر کے پڑھا (اور سمجھا بھی) جائے تو دانتوں پسینہ آ جائے گا (زبان بھلے ہی حرف اعتراف سے تشنہ رہے) گویا، رشید حسن خاں کی کوہ کنی نے فسانۂ عجائب کے جھیل جیسے آب مقید کو تشنگان علم کے لیے ایک دریا کی صورت عطا کر دی ہے"۔ (۴)

فسانۂ عجائب کے متن کے بعد اس میں سات ضمیمے بھی رشید حسن خاں نے شامل کیے ہیں ۔تدوین کی کتابوں میں ایسے ضمیمے اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہیں جو متن کے متعلقات سے بحث کرتے ہیں اور متن کی بہت سے پہلوؤں سے تفہیم کا باعث بنتے ہیں ۔ پہلے ضمیمے میں رشید حسن خاں نے **فسانۂ عجائب**' کے مختلف ایڈیشنوں کے آخر میں شامل رجب علی بیگ سرور کی نثر خاتمہ پر مشتمل پانچ تحریریں دی ہیں ۔چونکہ مختلف ایڈیشنوں میں مصنف متن میں ترمیم و اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کو بھی بدلتے رہے ۔اس لیے ان سب کو بھی یہاں پہلے ضمیمے میں یکجا کر دیا ہے ۔ دوسرا ضمیمہ بعض لفظوں اور تراکیب کی تشریحات اور وضاحت پر مشتمل ہے ۔اس میں زیادہ تر ایسے الفاظ کی تشریح اور وضاحت پیش کی گئی ہے جو کئی طرح سے پڑھے جا سکتے ہیں ۔ان میں سے رشید حسن خاں نے جس قرات کو ترجیح دی اس کی نشاندہی کے ساتھ اس کا جواز بھی فراہم کیا ہے ۔ رشید حسن خاں کی مرتبہ ''فسانۂ عجائب'' کے بارے میں بعض اچھے مضامین اور تبصرے مل جاتے ہیں اور بڑے جامع انداز کے لیکن ڈاکٹر ٹی ۔آر ۔رینا کا طویل مضمون واحد مثال ہے جو انھوں نے بڑی محبت اور محنت سے لکھا ہے ۔اس کتاب کے تعارف کے لیے اس سے اچھا مضمون نہیں ملتا، ڈاکٹر رینا نے کتاب کے تعارف کا حق ادا کر دیا ہے ۔ان کا شمار ان حضرات میں سرفہرست آئے گا جنھوں نے اس کتاب کو لفظ بہ لفظ پڑھا اور سمجھا ہے ۔ وہ '' فسانۂ عجائب'' کے اس دوسرے ضمیمے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ لفظ کس زمانے میں، کس شاعر نے کس صورت میں استعمال کیا ہے ۔ان الفاظ کو مختلف لغات، مختلف تاریخوں، مختلف ادبی رسائل اور قدیم شعرا کے دواوین سے تلاش کر کے مثالیں پیش کی ہیں ۔خاں صاحب نے ان تشریحات کے سلسلے میں بہت سے حضرات سے رابطہ بھی قائم کیا، جن سے انھیں کوئی بھی جانکاری ملی، اُس کے ساتھ انھوں نے اُس کا نام ضرور لکھ دیا ہے ۔ ..... جانکاری مہیا کرنے والے کا نام درج کرنا اور کھلے دل سے اس کا شکریہ ادا کرنا ایک محقق و تدوین نگار کے فرض میں شامل ہے ۔خاں صاحب نے بہت سے مقامات پر اس فرض کو نبھایا ہے"۔ (۵)

تیسرا ضمیمہ انتساب اشعار کا ہے ۔**فسانۂ عجائب** میں سرور نے جو شعر درج کیے ہیں ۔ان میں سے کچھ ان کے اپنے ہیں کچھ ان کے استاد نواز ش کے اور بعض دوسرے شعرا کے ۔لیکن ہر شعر پر شاعر کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ اس لیے تخریج کا یہ عمل بھی تدوین کے لیے لازم ہے کہ انتساب اشعار کا تعین کیا جائے ۔ان اشعار کے شعرا کو ڈھونڈنے کے لیے رشید حسن خاں نے جس جانکاہی اور ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، ڈاکٹر حنیف نقوی کے نام رشید

حسن خاں کے خطوط کے مطالعے سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ چوتھا ضمیمہ ''اشخاص ، مقامات اور عمارات'' پر مشتمل ہے اور اس میں ''فسانۂ عجائب'' کے دیباچے اور متن میں آنے والے بعض اشخاص، مقامات اور عمارات کی تفصیلی توضیح بھی بڑی محنت سے اور جانکاہی سے پیش کی گئی ہے ۔ ڈاکٹر رینا کے شمار کے مطابق اس میں کل ۸۵ اشخاص ،مقامات اور عمارات کا احاطہ کیا گیا ہے ۔ رشید حسن خاں نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ بعض معروف اور علامتی ناموں کو اس میں جگہ نہیں دی گئی ۔ اس ضمیمے کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ''فسانۂ عجائب'' کے متن کی تفہیم و توضیح کس قدر آسان اور بامعنی ہو گئی ہے ۔ اس ضمیمے کی معلومات کے بغیر ''فسانۂ عجائب'' کو پڑھیں تو وہ منظر نہیں بن پاتا جو اس کی وجہ سے ممکن ہوا ۔ پانچواں ضمیمہ '' تلفظ اور املا'' سے متعلق ہے ۔ اس میں رشید حسن خاں نے یہ بتایا ہے کہ بعض خاص الفاظ پر اعراب کی مدد سے ان کا جو تلفظ اور املا طے کیا ہے وہ کیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے ۔ ڈاکٹر رینا کے مطابق اس ضمیمے میں ۲۲۸ الفاظ زیر بحث آئے ہیں ۔ چھٹا ضمیمہ ''الفاظ اور طریق استعمال'' پر مشتمل ہے ۔ اس اہم ضمیمے کی وضاحت خود رشید حسن خاں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

> ''اس میں ایسے الفاظ اور عبارت کے ٹکڑوں کو یک جا کر دیا گیا ہے جو اُس عہد کی زبان پر کام کرنے والوں کے لیے مفید مطلب ہو سکتے ہیں ۔ اِس ضمیمے کے اندراجات سے اِس کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سرور کی زبان کا احوال کیا ہے ، اُس میں کس قدر پُرانا پن ہے اور کچھ لفظوں کو اُنھوں نے کیسے عجیب ڈھنگ سے استعمال کیا ہے ، جمع الجمع ، عدد معدود میں واحد اور جمع کی نسبت کا احوال کیا ہے اور مبینہ متروک لفظوں کا کس قدر ذخیرہ اُن کی اِس کتاب میں محفوظ ہے [یعنی ایسے لفظ اور ایسا طریق استعمال ، جسے بعد والوں نے متروک اور غیر مستحسن قرار دیا ہے]''۔ (۶)

فسانۂ عجائب کا ساتواں اور آخری ضمیمہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عبرت کی بہترین مثال ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ دفتریت کے پھیر میں اور کم حوصلگی کے پیش نظر ایک مدوّن کی محنت کا کس طرح خون کیا جاتا ہے ۔ یہ ضمیمہ ''اختلافِ نسخ'' پر مشتمل ہے لیکن طباعت کی گرانی کے سبب رشید حسن خاں کے مرتب کردہ تمام اختلافِ نسخ کو یہاں شامل نہیں کیا گیا ۔ اس میں صرف اور صرف ''فسانۂ عجائب'' کے دیباچے کے مختلف نسخوں کے اختلافِ نسخ کو لیا ہے ۔ باقی متن کے اختلافات اس میں ظاہر نہیں ہو سکے ۔ سب سے پہلے اس کے بارے میں رشید حسن خاں کا اپنا بیان ملاحظہ کیجیے:

> ''اس ضمیمے کے سلسلے میں دو وضاحتیں ضروری ہیں ۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہ ضمیمہ صرف دیباچۂ فسانۂ عجائب پر مشتمل ہے [یعنی ص ۱ سے ص ۳۱ تک] ۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابتدا میں جب اِس کام کا خاکہ بنایا گیا تھا تو یہ طے کر لیا گیا تھا مکمل متن پر مشتمل ضمیمۂ اختلافِ نسخ تیار کیا جائے گا ۔ خاص کر اِسی کام کے لیے وہ سارے نسخے ڈھونڈے گئے جن کی شمولیت ضروری تھی ۔ بہت کچھ دیدہ ریزی کے بعد مکمل اختلافِ نسخ کا ضمیمہ تیار کر لیا گیا ۔ اِس کے لیے ہر صفحے پر

> متن میں نمبر شمار بھی ڈالے گئے ۔ یہ ضمیمہ پچاسی صفحات میں سما پایا تھا ۔[اُس وقت تک نسخۂ د کی اطلاع نہیں تھی اور ن کی پہلی اشاعت [۱۲۸۳ھ(۱۸۶۶ء)] نہیں ملی تھی ، دوسری اشاعت سے کام لیا گیا تھا ۔ باقی نسخے یعنی ھ م ،ض ،ک ، ف ، ل موجود تھے ، اِن سات نسخوں کی مدد سے اختلافِ نسخ تیار کیا گیا تھا] ۔ جب سب کام مکمل ہو گیا تو معلوم ہوا کہ زیادہ ضخامت کی وجہ سے یہ کتاب نہیں چھپ سکتی [وہی پرانی بات ، دفتری خامہ فرسائی] ۔مشورہ کیا گیا ، طے یہ ہوا کہ اختلافِ نسخ کے اِس حصے کو شامل نہ کیا جائے ، اِس طرح کچھ تو ضخامت کم ہو ۔یہ ایسی مجبوری تھی جس کا علاج میرے پاس نہیں تھا اصولِ تدوین کے لحاظ سے قطعی طور پر درست نہیں ، مگر مجبوری تھی ۔اُس حصے کو الگ کر دیا گیا ، اِس کے نتیجے میں یہ بھی کرنا پڑا کہ متن کے جملہ صفحات پر مندرج اختلافِ نسخ کے نمبر شمار پر سفیدا لگانا پڑا''۔(۷)

تدوین کے اس مسلّمہ اور بجا و درست اصول سے کسی کو انکار اور انحراف نہیں کہ جس متن کو مرتب کیا جا رہا ہے اس کے اگر ایک سے زیادہ نسخے ملتے ہیں تو کسی معتبر ترین کو بنیادی متن کے طور پر لیا جائے اور باقی تمام نسخوں کے اختلافات ظاہر کیے جائیں ۔اس عمل کی اپنی افادیت اور اہمیت ہے اور یہ کہ اس کے بغیر تدوین نامکمل بھی سمجھی جاتی ہے ۔کیونکہ قاری کے لیے اس متن کے دوسرے نسخوں کے مطالعے کا اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا ۔ مدوّن کی ذمہ داریوں کو پرکھنے کے لیے بھی یہ ضروری ہوتا ہے ۔اس طرح گویا اختلافِ نسخ تدوین کا لازمہ ہیں ۔دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو اور انجمن ترقی اُردو سے مل کر بھی یہ نہیں ہو سکا کہ کسی طرح باقی ماندہ اسے صفحات پر مشتمل کے اختلافِ نسخ کو بھی شامل کر لیا جائے ۔تحقیق و تدوین سے سچی لگن رکھنے والے اصحاب کے لیے یہ عمل واقعی نا روا اور تکلیف کا باعث ہے تو سوچا جا سکتا ہے کہ خود مدوّن کے دل پر کیا گزری ہو گی ۔

حقیقت یہ ہے کہ آج تک رشید حسن خاں کی اس ''فسانۂ عجائب'' کے متعدد ایڈیشن انجمن شائع کر چکی ہے دو اداروں نے اسے پاکستان سے بھی چھاپ دیا ہے ۔لیکن ان اختلافِ نسخ کا کسی ایڈیشن میں اضافہ نہیں ہو سکا، نہ اس کے علاوہ رشید حسن خاں کے تیار کردہ یہ اختلافِ نسخ کسی رسالے ہی میں شائع ہوئے ہیں ۔اب تو گویا اہلِ علم ان سے محروم رہیں گے ۔

فسانۂ عجائب میں سات ضمیموں کے بعد ''فرہنگ'' ہے جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلے حصے میں ''عام الفاظ'' کے معنی ہیں ۔اس سے مراد بول چال کے عام فہم الفاظ نہیں بلکہ اہم الفاظ کے معنی ہی ہے ۔''فرہنگ'' کے اگلے حصے چونکہ ''عربی عبارتیں'' اور ''فارسی اشعار اور فقرے'' ہیں جن میں ان عربی و فارسی عبارتوں کے اُردو ترجمے دیے گئے ہیں ، اس لیے ان سے ممتاز کرنے کے لیے پہلے حصے کو ''عام الفاظ'' کہا ہے ۔رشید حسن خاں اس حصے کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ''اِس کے سلسلے میں صرف یہ کہنا ہے کہ کوشش یہ کی گئی ہے کہ لفظوں کے وہی معنی لکھے جائیں جن معنوں میں وہ استعمال میں آئے ہیں ۔اگر معانی کے ذیل میں چند ضروری لفظ مزید لکھے

گئے تو اُس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اصل معنی کی مزید وضاحت ہو جائے ۔بعض لفظوں کے آگے اُن صفحات کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جہاں وہ آئے ہیں ۔ اِس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ اِس کا مطلب لازماً یہ نہیں کہ سارے لفظ صرف انھی صفحات پر آئے ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ حوالہ اُس صفحے کا دیا جائے جہاں وہ پہلی دفعہ آیا ہے ۔ اِس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ صفحات کا حوالہ زیادہ الفاظ کے تحت آنا چاہیے تھا ۔میرے ذہن میں تھی تو یہی بات ؛ مگر اِسے فروگذاشت کہیے یا میری بدحواسی ، کہ ایسے الفاظ کی تعداد کم رہی ۔'' (۸)

کتاب کے سب سے آخر میں ''اشاریہ'' ہے ۔اس کے بارے میں رشید حسن خاں نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ صرف **فسانۂ عجائب** کے متن تک محدود ہے ۔اس میں مقدمے اور ضمیموں کو شامل نہیں کیا گیا ۔ ڈاکٹر گیان چند نے بھی اس کمی کو محسوس کیا ہے ۔اس کے علاوہ یہ کہ اس میں داستان کے کرداروں کو اشاریے میں لینے کے بجائے مقدمے اور ضمیموں کو شامل کیا جا سکتا تھا ۔لیکن مقدمے کے مباحث ضمیموں اور فرہنگ و اشاریے کو دیکھیں تو ایک خاص اہتمام کے ساتھ یہ اصول اپنایا ہے کہ یہ تمام حصّے زیادہ سے زیادہ کتاب کے متن سے متعلق رہیں ۔تدوین کا اصول بھی یہی ہے ۔اشاریے کو اس اصول سے آزاد سمجھنا چاہیے وہ اس دائرے میں نہیں آتا ۔ کیونکہ اس کی اہمیت یہی ہے کہ اس پوری کتاب میں اشخاص یا مقامات کہاں کہاں آئے ہیں اور کون کون ہیں اس کا اندازہ کرنا مفید ہوتا ہے ۔البتہ اس کو الگ الگ حصّوں میں رکھا جا سکتا تھا ۔متن کا اشاریہ الگ اور باقی تمام تحریروں کا الگ اشاریہ تیار کر لیا جاتا ۔ڈاکٹر گیان چند ضمیموں اور فرہنگ کے بارے میں لکھتے ہیں :

''میرے لیے یہ ضمیمے اور فرہنگ معلومات کے ایسے ہشت سمجھ خسرو ہیں جن کے مشاہدے اور استفادے میں عمر بسر کی جا سکتی ہے''۔ (۹)

رشید حسن خاں کے مرتب کردہ **فسانۂ عجائب** کے متن کا فیضان یہ کم نہیں کہ طلبہ کیا اساتذہ بھی اب اس کی صحیح قرات کر سکتے ہیں اور اس کی عبارتوں کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں ۔

رشید حسن خاں کی تدوین کا دوسرا شاہکار **باغ و بہار** ہے ۔**باغ و بہار** کو ابتدائی ادبی نثر کی معراج قرار دیا جا سکتا ہے ۔ نصابی ضرورتوں کے علاوہ بھی ادب میں اس کو غیر معمولی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے ۔ رشید حسن خاں نے اس کو آدابِ تدوین کی مکمل پابندی کے ساتھ مرتب کرنے کے بارے میں غور و فکر اور مواد کی فراہمی کا سلسلہ ۱۹۶۴ء ہی سے شروع کر دیا تھا لیکن ۱۹۸۲ء میں اس کی تدوین کا باقاعدہ آغاز کیا اور ۱۹۹۲ء میں یہ صحیفہ تدوین پہلی بار سامنے آیا ۔**فسانۂ عجائب** کی طرح یہ کتاب بھی ۱۹۹۲ء میں بیک وقت انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی سے اور ادارۂ نقوش لاہور سے شائع ہوئی ۔ چونکہ رشید حسن خاں کی عملی تدوین کا یہ دوسرا نقش ہے اس لیے یہ پہلے سے بھی بہتر معیار کے ساتھ مثالی نمونے کے طور پر سامنے آیا ہے ،ویسے تو ان دونوں کتابوں سے ہی تدوین کے مثالی نمونے مہیا ہوتے ہیں لیکن خاص طور پر **باغ و بہار** کی تدوین نے حتمی طور پر تدوین کا ایک انتہائی معیار مقرر کر دیا کہ کسی نثری کتاب کو کس طرح مرتب کرنا چاہیے ۔

رشید حسن خاں کی مرتبہ **باغ و بہار** کے بارے میں ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''ان کا پہلا عہد آفرین کارنامہ جو منظرِ عام پر آیا، فسانۂ عجائب کی ترتیب و تدوین سے متعلق تھا برصغیر ہندو پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں اس کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی اور ابھی اس منفرد اور بے مثال کام پر تحسین و مرحبا کی صداؤں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اس نہج اور اسی انداز پر ان کی مرتبہ ''باغ و بہار'' بھی چھپ کر سامنے آ گئی اس کتاب کے مطالعے بعد یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ بعض حیثیتوں سے اسے اوّل الذکر کام پر بھی فوقیت حاصل ہے''۔ (۱۰)

کتاب کے شروع میں مفصل مقدمہ ہے جو **فسانۂ عجائب** کے مقدمے سے بھی نکلتا نظر آتا ہے۔ رشید حسن خاں نے جس شرح و بسط کے ساتھ اور جامع و مانع انداز سے میر امن اور ان کی **باغ و بہار** کے متعلقات کو پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی تحقیقی ژرف نگاہی اور استدلال نے بہت ساری غلط فہمیوں اور گمراہیوں کو نہ صرف رفع کیا ہے بلکہ آئندہ کے لیے بھی اس کی بہت سی روک تھام کر دی ہے۔

رشید حسن خاں نے **باغ و بہار** کی تدوین میں بنیادی نسخے کے طور پر **فورٹ ولیم کالج** کے تحت ہندوستانی پریس سے ۱۸۰۴ء میں طبع ہونے والے ایڈیشن کو سامنے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ایک خطی نسخہ (روایت اوّل) ہندی مینول، ڈنکن فاربس اور مولوی عبدالحق کے مرتبہ ایڈیشنوں سے تصحیح متن میں مدد لی اور ان کے اختلافِ نسخ درج کیے۔ رشید حسن خاں نے باغ و بہار کے متن کو منشائے مصنف کے تحت رکھنے کی کس حد تک پابندی کی ہے یہ ان کے اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ مقدمے میں ''طریق کار'' کے تحت لکھتے ہیں:

> ''متن کی بنیاد **ک** پر رکھی گئی ہے۔ **ک** کے آخر میں طویل غلط نامہ شامل ہونے کے باوجود متن میں طباعت کی بعض غلطیاں باقی رہ گئی ہیں؛ **م**، **ف** اور **ن** کی مدد سے اُن کی تصحیح کر دی گئی اور ضمیمہ نمبر ۱ میں بہ ذیل اختلافِ نسخ ایسے جملہ مقامات کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اِس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ سختی کے ساتھ اصل متن کی پابندی کو لازم سمجھا جائے۔ پوری کتاب میں صرف ایک جگہ ص ۷۰ پر ''سے'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ امتیاز کے لیے اِسے قوسین میں لکھا گیا ہے اور ضمیمۂ تشریحات میں (ص ۳۰۸، حاشیہ ۳ کے تحت) اِس پر گفتگو کی گئی ہے کہ یہ اضافہ کیوں ضروری سمجھا گیا۔ اِس ایک اضافے کے علاوہ، کسی دوسری جگہ کوئی اضافہ نہیں کیا گیا''۔ (۱۱)

ڈاکٹر گیان چند، رشید حسن خاں کے منشاے مصنف کے مطابق متن پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں:

> ''اس مقدمے میں بھی وہ تدوین کی حدود کا وہی تعین کرتے ہیں جو فسانۂ عجائب کے مقدمے میں کیا تھا اور اس سے اتفاق کرنا ہوگا۔ اس میں انھوں نے زور دیا ہے کہ متن کو منشائے مصنف کے مطابق پیش کیا جائے۔ میر امن نے دلّی کی بول چال کا روزمرہ لکھا ہے جس میں بار بار

نامانوس روپ آ گئے ہیں ۔ بیشتر کے مرتبین نے انھیں سہوِ طباعت سمجھ کر بدل دیا لیکن رشید حسن خاں نے میر امن کے ہاتھ کی لکھی 'نسخ خوبی' دیکھی ہے ۔ ہندی مینول کے مطبوعہ اوراق ، بقیہ حصے پر مشتمل مخطوطہ ، گلکرسٹ کا نظام اوقاف ، ان سب کی مدد سے وہ میر امن کے سویدائے دل میں اُتر گئے ہیں ، ہر لفظ اور ہر محاورے کو اسی طرح لکھا ہے جو میر امن کا منشا رہا ہوگا ۔''(۱۲)

رشید حسن خاں نے طریق کار کے تحت اپنی تدوین کے جو اصول بتائے ہیں وہ سارے ''فسانۂ عجائب'' کے بھی مطابق ہیں اس لیے انھیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ اس کے متن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعراب ، رموزِ اوقاف ، اضافت کے زیر ، تشدید ، قرات اور دیگر علامات کا اہتمام بڑے سائنٹفک انداز سے کیا ہے جس سے متن کی قرات اور خواندگی ہر خاص و عام کے لیے سہل ہو گئی ہے ۔ البتہ **باغ و بہار** میں **فسانۂ عجائب** کی نسبت طریق کار کے حوالے سے ایک اہم اضافہ ہے جس کی ضرورت تھی رشید حسن خاں لکھتے ہیں :

''اس سلسلے کی پہلی کتاب **فسانۂ عجائب** کے متن میں صرف اختلافِ نسخ کے نمبر شمار ڈالے گئے تھے ۔ بعد کو یہ محسوس کیا گیا کہ متن کے ایسے بہت سے مقامات سے پڑھنے والے کی نظر سرسری طور پر گزر جاتی ہے ، جہاں اُسے رُکنا چاہیے تھا اور یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اِس مقام پر کوئی بات بحث طلب ہے یا کسی طرح تشریح کی ضرورت ہے ۔ اِس کا اہتمام ضرور کیا جانا چاہیے کہ وضاحت طلب مقامات پر پڑھنے والے کی نظر رُکے اور وہ اُس وضاحت کو دیکھ سکے جو ضمیموں میں پیش کی گئی ہے ۔ اِس بنا پر اِس کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ متن کے ہر صفحے پر نمبر شمار ڈالے گئے ہیں ۔ یہ نمبر دو طرح کے ہیں ۔ جو نمبر شمار گول دائرے کے اندر ہیں ، تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقام کسی نہ کسی لحاظ سے تشریح طلب ہے ۔ اِس کے برخلاف جو نمبر معمول کے مطابق لکھے گئے ہیں [جیسے: نمبر۲] تو یہ صرف اختلافِ نسخ کو ظاہر کرتے ہیں جن لفظوں میں تلفظ اور املا کے لحاظ سے کوئی بات تشریح طلب ہے ، تو ایسے الفاظ پر پھول کا نشان بنا دیا گیا ہے ، تاکہ پڑھنے والا پہلی ہی نظر میں سمجھ لے کہ اِس لفظ میں املا یا تلفظ کے لحاظ سے کوئی بات بحث طلب ہے یا وضاحت طلب ہے ۔'' (۱۳)

فسانۂ عجائب کے اختلافِ نسخ اور تشریحات الفاظ کو دیکھیں تو اس کے متن کے صفحہ نمبر کے تحت وہ اندراج آتے ہیں جبکہ ان کے لیے متن میں کسی طرح کی کوئی علامت نہیں اور واقعی متن پڑھتے ہوئے ، وضاحت طلب لفظوں پر توجہ دینے کا خیال بھی بعض اوقات نہیں آتا ۔ اس طرح عام قاری اس کے ضمیموں کی بہت ساری معلومات سے محروم رہ جاتا ہے ۔ اس کے برعکس رشید حسن خاں نے **باغ و بہار** میں یہ اہتمام کر دیا ہے ۔ اس کے متن کو دیکھیں تو جیسا کہ انھوں نے خود وضاحت کی ہے اس پر تین طرح کے نمبر شمار اور علامتیں ہیں ۔ اب ظاہر ہے متن کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی لفظ پر چھوٹے سے دائرے میں نمبر لگا ہے تو لازمی سمجھا جائے گا کہ اس لفظ کی تشریح مرتب نے کی ہے ۔ اور جہاں معمول کا نمبر بغیر دائرے کے دیکھے گا اس کا مطلب ہے کہ یہاں متن کے

اختلاف ضمیمے میں درج ہیں ۔اس طرح وہ ان کا تقابل بھی ساتھ ساتھ آسانی سے کرسکتا ہے ۔اسی طرح پھول کے نشان سے اشارہ ملے گا کہ اس لفظ کے تلفظ اور املا کے بارے میں معلومات ضمیمے میں موجود ہیں ۔اس طریق کار سے مرتب نے اپنے ضمیموں میں معلومات کے خزینے کی طرف قاری کو متوجہ کرنے کا بڑا احسن اہتمام کر دیا ہے ۔

فسانۂ عجائب کی نسبت **باغ و بہار** کے ضمیمے مفصل ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مختلف نوعیت کی وضاحتوں پر مشتمل معلومات کو ایک ضمیمے میں لے آئے ہیں ۔مثلاً **فسانۂ عجائب** میں تشریحات ، اختلافِ نسخ ، انتسابِ اشعار اور افراد و مقامات وغیرہ کی وضاحت کے لیے الگ الگ ضمیمے ہیں لیکن یہاں **باغ و بہار** میں ان سب کو پہلے ضمیمے میں جمع کر دیا ہے ۔ان میں سے ''انتسابِ اشعار'' کے بارے میں انھوں نے مقدمے میں یہ لکھا ہے کہ **باغ و بہار** میں اشعار کی تعداد ایسی نہیں کہ اسے الگ ضمیمے میں رکھا جاتا لیکن ''تشریحات''، ''اختلافِ نسخ ''اور افراد و مقامات اور عمارات کے تحت آنے والے مباحث جو تقریباً سوسوا سو صفحے میں آئے ہیں انھیں الگ الگ رکھا جا سکتا تھا۔**باغ و بہار** کے ان ضمیموں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں :

> ''متن کتاب کے بعد ضمیموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ۔دراصل ضمیموں ہی سے مرتب کی جگر سوزی و جاں کاہی اور سلیقہ ترتیب و تدوین کا اندازہ ہوتا ہے ۔پہلے ضمیمے کا عنوان ہے '' تشریحات ،اختلاف نسخ ،انتساب اشعار، افراد، مقامات ، عمارتیں ، اس کا سلسلہ ص ۲۵۱ سے شروع ہو کر ص ۳۹۳ تک چلا گیا ہے ۔
>
> اس ضمیمے میں اختلاف نسخ کے اندراجات تدوین متن کا کام کرنے والوں کے لیے رہنما اصول کا درجہ رکھتے ہیں ۔توضیح اس کی یہ ہے کہ آج کل تدوین متن کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ایک نسخے کو بنیاد بنا کر اسے من وعن کتاب کے طور پر نقل کر دیا جائے اور دوسرے نسخوں کے اختلافات کی نشان دہی حواشی میں کر دی جائے ۔حالانکہ بعض اہل علم کے قول کے مطابق ایسی صورت میں مرتب متن کی حیثیت کاتب یا ناقل سے زیادہ نہیں رہ جاتی ۔جناب رشید حسن خاں اس سہل انگاری بلکہ غیر عالمانہ روش کے ہرگز قائل نہیں ۔وہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف پر غور کرنے کے بعد ہی اسے متن میں جگہ دیتے ہیں ۔یہی نہیں بلکہ اعراب کا بھی تعین کرتے جاتے ہیں اور اختلاف نسخ کے ذیل میں اپنی ترجیحات کی وضاحت کر دیتے ہیں تا کہ تلاش وجستجو اور غور وفکر کی جن منزلوں سے وہ گزرے ہیں ، اس سے ان کا باذوق قاری بھی پوری طرح واقف ہو جائے''۔(۱۴)

علمی ادبی کاموں میں جہاں ''من ترا حاجی بگو.....'' کی مثالیں علم وادب کی روایت کی بربادی کا سبب بنتی ہیں وہاں جائز داد وتحسین ، کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی اور تقویت کا باعث بھی بنتی ہیں اور ان کی ضرورت بھی رہتی ہے ۔ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھانے کی یہ مثبت روایت بھی اردو میں موجود ہے ۔ڈاکٹر گیان چند نے رشید

حسن خاں کے بارے میں اور ان کی کتابوں کے بارے میں ہمیشہ مثبت رائے دی ہے بعض علمی اختلافات کے باوجود وہ اُن کی تحقیق وتدوین کو مستند قرار دیتے رہے ہیں۔انھوں نے ''خدائے تدوین'' کے عنوان سے رشید حسن خاں کی ''فسانۂ عجائب'' اور ''باغ و بہار'' کے بارے میں جو مضمون لکھا اس میں انھوں نے بہت اچھے جائزے پیش کیے لیکن بڑی حسرت سے یہ بھی لکھا کہ ''انھوں نے میرے بارے میں کبھی ایک لفظ نہیں لکھا''۔اس کے باوجود ڈاکٹر گیان چند، رشید حسن خاں کی ان دونوں کتابوں کی تحسین وتعریف پر خود کو مجبور پاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اب تک اردو نثر میں بہترین تدوینات مولانا عرشی اور مالک رام ومختار الدین احمد کی تھیں۔ رشید حسن خاں نے **فسانۂ عجائب** اور **باغ و بہار** کو اس انداز سے مدون کیا ہے کہ یہ ایسے مکمل ومثالی کام ہیں جن کی نظیر نہ ماضی میں ملتی ہے، نہ عرصے تک مستقبل میں ملنے کی امید ہے۔ یہ کتابیں تدوین کا ایسا بیش بہا خزینہ ہیں جن میں لامتناہی دولت چھپی ہوئی ہے۔ میرے نزدیک ایسی کتاب تیار کرنے کے لیے پندرہ بیس سال کا عرصہ درکار ہے۔ان میں سے ہر کتاب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے ایک ایک سال کی مدت چاہیے کیوں کہ ان ضمیموں میں جو معلومات بھری پڑی ہیں انھیں پرکھنے اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے عمر عزیز کا ایک موقر حصہ نذر کرنا ہوگا۔''(۱۵)

ڈاکٹر گیان مزید لکھتے ہیں:

> ''کئی مغربی ومشرقی علما کلاسیکی زبانوں کے متون کو مرتب کر کے شہرت دوام پا چکے ہیں۔رشید حسن خاں کا کام کسی سے کم معیار کا نہیں۔اگر وہ کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہوتے، یورپ و امریکہ کی سیر کیے ہوتے، عظیم الشان جلسوں میں صدر مملکت یا وزیر اعظم سے رسم اجرا کراتے تب ان کارناموں کو عظیم الشان قرار دیا جاتا۔ بہ صورت موجودہ ایسے شاہکاروں کو جو غلغلہ ہونا چاہیے، نہیں ہوا۔حضرت امیر حمزہ نے طلسم ہوش ربا فتح کیا تھا۔تدوین کے نفت خواں میں رشید حسن خاں کی تسخیر اس سے کم نہیں۔اگر تدوین کوئی ملت ہوتی تو یہ کتابیں اس کے دو مقدس صحیفے قرار پاتے اور ان کا مدون ان کا نبی، لیکن میں انھیں پیغمبر تدوین کہنے پر قانع نہیں، انھیں خدائے تدوین کہوں گا گو اس پر کتنے زعما چیں بہ جبیں ہوں۔ مجھے رشید حسن خاں سے محبت نہیں (کد بھی نہیں)۔انھوں نے کبھی میرے بارے میں ایک لفظ نہیں لکھا۔میں نے اپنی کتاب تحقیق کا فن انھیں پیش کی تو انھوں نے لکھا کہ اس کا ایک ایک لفظ پڑھوں گا۔اس کے بعد اس کے بارے میں مجھے کچھ بھی نہیں لکھا۔شاید کتاب کی ورق گردانی کی ہی نہیں لیکن میں کیا کروں، میں تو 'فسانۂ عجائب' اور 'باغ و بہار' کے مرتب کی قدر شناسی کے لیے مجبور ہوں۔ میں کہا کرتا تھا کہ اردو میں دانشوری کی روایت کمزور ہے۔ رشید حسن خاں کے دونوں کارناموں نیز ان کی کتاب 'زبان وقواعد' کے ہوتے ہوئے یہ داغ رفع ہو جاتا ہے۔''(۱۶)

اُردو تدوین کے اس امام کو اس سے بہتر ہدیۂ تحسین وتبریک پیش نہیں کیا جا سکتا۔

رشید حسن خاں کی مرتبہ **فسانۂ عجائب** اور **باغ و بہار** نے جہاں دوسروں کے لیے تدوین کا ایک اعلیٰ معیار اور نمونہ قائم کیا، وہاں خود رشید حسن خاں کے لیے بھی تدوین کے سلسلے میں یہ ایک معیار بن گئیں۔ اب ان کے لیے لازم ہو گیا کہ اس کے بعد تدوین کا جو نمونہ پیش کریں وہ ان پہلی دو کتابوں سے کسی طور کم درجے کا نہ ہو۔ ان کے بعد رشید حسن خاں نے بالترتیب **گلزار نسیم** (۱۹۹۵ء)، **مثنویات شوق** (۱۹۹۸ء)، **سحرالبیان** (۲۰۰۰ء)، **مصطلحات ٹھگی** (۲۰۰۲ء) اور **زٹل نامہ** (۲۰۰۳ء) کو مرتب کیا اور تدوین کے مکمل آداب اور اصول پیش نظر رکھے۔ ان کتابوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے سابقہ معیار میں اگر کوئی اضافہ نہیں کیا تو کم از کم اپنے اس معیار کو برقرار ضرور رکھا ہے۔ بلکہ ایک اہم اضافہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ انھوں نے اپنے مقدمے کے مباحث پر جو عنوانات بنائے ہوتے تھے ان کتابوں میں اُن کو بھی فہرست میں ظاہر کر دیا ہے۔ ورنہ **فسانۂ عجائب** اور **باغ و بہار** میں یہ کمی محسوس ہوتی تھی کہ مقدمے میں مباحث کیا ہیں اور کس ترتیب سے ہیں۔ پہلی دونوں کتابوں کی نسبت دوسری اہم تبدیلی یہ نظر آتی ہے کہ ان پانچ کتابوں میں مقدموں اور متن کو صفحات نمبر کے لحاظ سے مسلسل کر دیا ہے۔ اس سے پہلے مقدمے کے صفحات نمبر الگ رہتے تھے اور متن نئے صفحے سے شروع ہوتا تھا۔

جہاں تک تدوین کے طریق کار کا تعلق ہے تو اس میں پہلی دونوں کتابوں کی نسبت کوئی تبدیلی نہیں آئی رشید حسن خاں نے اپنے وضع کردہ اور تدوین کے مسلمہ اصول کے مطابق ہی ان پانچ کتابوں کو بھی مرتب کیا ہے۔ ہر ایک میں اپنے بنیادی متن اور اس کی پابندی کرنے کی وضاحت کر دی ہے، ترتیب متن میں استعمال ہونے والے اعراب، اوقاف اور علامات وغیرہ کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ اس طرح آخر کے ضمیمے بھی انھیں مباحث کا احاطہ کرتے ہیں جو پہلی دونوں کتابوں میں بتائے گئے تھے۔ البتہ ایک ضروری اہتمام انھوں نے یہ ضرور رکھا ہے کہ ہر کتاب کے مقدمے میں اپنے طریق کار کے تحت اس ساری تفصیل کو دہرا دیتے ہیں جن کے بار بار مطالعے سے آداب تدوین ذہن پر نقش ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر کسی قاری کو صرف ایک ہی کتاب میسر آئے تو وہ بھی طریق تدوین کو نظر میں رکھ سکے۔ یہاں ان کتابوں کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کے طریق کار کی تکرار سے گزر کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے بارے میں محض بعض ضروری باتوں پر توجہ دی جائے گی۔

دیا شنکر نسیم کی مثنوی **گلزار نسیم**' کو مرتب کرتے ہوئے رشید حسن خاں نے اس کے بنیادی متن کے طور پر نسیم کے نظر ثانی شدہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) کے ایڈیشن کو پیش نظر رکھا جو ان کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا۔ رشید حسن خاں اپنے بنیادی متن کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''**گلزار نسیم** کے متن کی بنیاد اس مثنوی کے نسخۂ طبع اوّل [مطبوعۂ مطبع حسنی میر حسن رضوی، لکھنؤ، سال طبع: ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء)] پر رکھی گئی ہے۔ اس نسخے کے متعلق عبارت خاتمت' الطبع میں یہ صراحت موجود ہے کہ ''بہ تصحیح و مقابلۂ مصنف حلیۂ طبع پوشید''۔ مصنف [دیا شنکر

نسیم] کی زندگی کی یہ پہلی اور آخری اشاعت ہے، اس بنا پر اس مثنوی کا یہ واحد معتبر نسخہ ہے، اسی بنا پر اسے متن کی اساس بنایا گیا ہے ..... اصل متن [یعنی طبع اوّل کے متن] کی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی ہے، صرف واضح اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے تو ایسی ہر تصحیح سے متعلق ضمیمہ تشریحات میں ضروری تفصیل ضرور لکھی گئی ہے۔''(۱۷)

اس کے طویل مقدمے میں رشید حسن خاں نے حسبِ معمول بہت ضروری اور بنیادی نوعیت کے مباحث کا احاطہ کیا ہے۔ بطورِ خاص گلزارِ نسیم کے فارسی ماخذ مذہبِ عشق اور معرکۂ چکبست وشرر کے حوالے سے مباحث واقعی معرکے کے ہیں۔ کالی داس گپتا رضا کو چکبست سے غیر معمولی شغف رہا ہے اور انھوں نے ان کے بارے میں کام بھی بہت کیا ہے۔ وہ رشید حسن خاں کے مقدمے میں چکبست وشرر کی بحث کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رشید حسن خاں کی کتابوں میں سے:

''سب سے زیادہ دلچسپی مجھے 'مثنوی گلزارِ نسیم' سے تھی کیوں کہ چکبست کے سلسلے میں اس کے بہت سے حوالے میرے کام میں بھی موجود ہیں۔ میں نے اُس کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خاں صاحب میں جانب داری ایسی کوئی چیز نہیں۔ جہاں اُنھوں نے چکبست کو اُن کی غلطی پر لتاڑا ہے وہاں شرر بھی اُسی سختی کا شکار ہوئے ہیں بلکہ بعض مقامات پر چکبست کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے۔''(۱۸)

اس معرکے سے ہٹ کر اور متن کے علاوہ گلزارِ نسیم کے سارے متعلقات کے متعلق گپتا رضا مزید لکھتے ہیں:

''اس وقت میرے سامنے خاں صاحب کی مرتب کی ہوئی 'مثنوی گلزارِ نسیم' ہے۔ یہ کتاب ۲۴۷ صفحات پر محیط ہے جب کہ نظم (مثنوی) کے کل اشعار ۱۵۳۱ ہیں جو کتاب کے محض ۸۵ صفحوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی ماندہ ۶۳۹ صفحوں پر درج اس مختصر مثنوی پر کیا لکھا گیا ہوگا۔ سو عرض ہے کہ ان لگ بھگ ساڑھے چھ سو صفحوں پر درج ایک حرف بھی ضرورت سے زیادہ نہیں۔ چاروں کتابوں کا یہی حال ہے۔ تشریحات اور فرہنگیں اس درجہ عالمانہ ہیں کہ اگر انھیں الگ سے چھاپ دیا جائے تو وہ مستقل حوالے کی کتابیں بن جائیں۔''(۱۹)

گلزارِ نسیم کے مقدمے کی اہمیت وافادیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر شمیم حنفی لکھتے ہیں:

''مقدمے کے ڈیڑھ سو صفحات میں گلزارِ نسیم کی ادبی اہمیت اور نصابی اہمیت، قصے سے وابستہ روایات، اس کے اجزا، اس کے تمثیلی پیرائے، پھر دیا شنکر نسیم کی سوانح اور ادبی خدمات؛ اس کے بعد گلزارِ نسیم کے مختلف نسخوں، قصۂ گل بکاؤلی کی فارسی روایت، فارسی متن کے نثری اردو ترجمے (مذہبِ عشق از منشی نہال چند لاہوری) کی نوعیت اور دیگر متعلقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ گلزارِ نسیم کے واسطے سے شرر اور چکبست کے معروف معرکے کے پس منظر پر بھی روشنی

ڈالی گئی ہے۔اس معاملے میں رشید حسن خاں نے حزم و احتیاط کا پہلو مستقلاً پیش نظر رکھا اور شرر کے ساتھ چکلست کے رویے کی تہہ میں جو عناصر کارفرما تھے ان کا جائزہ مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اور براہین و دلائل کی بنیاد پر پیش کیا ہے۔''(۲۰)

گلزار نسیم کے ضمیموں کو ڈاکٹر شمیم حنفی یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے مدرسۃ الاصلاح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس ایڈیشن کے ضمیمہ وتشریحات میں رشید حسن خاں نے (ص ۲۳۷ یا ۵۲۰) جس شرح و بسط کے ساتھ زبان اور بیان کے نکات پر بحث کی اس سے لغات، لفظیات اور صناعت کے بہت سے باریک پہلو ابھرتے ہیں۔موجود دور کہ جب تعلیم کے اعلا مراکز، خاص طور پر یونی ورسٹیوں میں لسانی، فنی اور ذوقی تربیت کا رجحان معدوم ہوتا جا رہا ہے، رشید حسن خاں کی یہ دیدہ ریزی اردو کے طلبا (اوران سے زیادہ اساتذہ) کے لیے ایک مدرسۃ الاصلاح کی حیثیت رکھتی ہے۔یوں بھی بنیادی متن پر اعراب کی نشان زدگی، تلفظ واملا کی تفصیلات اور فرہنگ پر مبنی ضمیمے (ص ۵۲۱ یا ۶۰۰) کی شمولیت نے اس ایڈیشن کو ایک مکمل، قائم بالذات اور نہایت کار آمد نسخے کی حیثیت دے دی ہے۔لفظوں کے معنی، پھر معنی کا مسئلہ تحقیقی زبان کی سطح پر ایک ساتھ کئی جہتیں رکھتا ہے اور کبھی یہ مسئلے لغات کی مدد سے حل نہیں ہوتے۔'' (۲۱)

گلزار نسیم کا سب سے بڑا شعری حسن اس کی رعایت لفظی ہے لیکن آج کل ان رعایتوں کو سمجھنے اوران سے لطف اندوز ہونے والے تخن فہم طلبہ کیا اساتذہ کا بھی قحط ہے۔رشید حسن خاں نے اگر ضمیموں میں الفاظ کی تشریحات اوران کے تلفظ واملا پر سیر حاصل بحثیں نہ کی ہوتیں تو آہستہ آہستہ ''گلزار نسیم'' کو بے معنی ہی سمجھا جانے لگتا۔رشید حسن خاں نے اس مثنوی کے مستند متن کو پیش کر کے محفوظ ہی نہیں کر دیا، اس کی تفہیم کا بھی پورا سامان کر دیا ہے۔

''مثنویاتِ شوق'' میں نواب مرزا شوق لکھنوی کی تینوں مثنویوں ''فریبِ عشق''، ''بہارِ عشق'' اور ''زہر عشق'' کو شامل کر لیا ہے۔ان مثنویوں کے جو نسخے بنیادی متن کے طور پر رشید حسن خاں نے سامنے رکھے ان کی تفصیل انھوں نے اس طرح درج کی ہے:

''مثنوی فریبِ عشق کے متن کی بنیاد نسخہ مطبع آغا جان [۱۲۷۲ھ(۱۸۵۵ء)] کو بنایا گیا ہے۔ اِس مثنوی کا اِس سے بہتر اور اِس سے قدیم مطبوعہ نسخہ موجود نہیں، یعنی ہمارے علم میں نہیں۔ مثنوی بہارِ عشق کے نسخۂ مطبع محمدی پریس [۱۲۶۸ھ(۱۸۵۱ء)] کو بنیاد بنایا گیا ہے۔یہ مصنف کا نظر ثانی کردہ نسخہ ہے، ایسے کسی اور نسخے کا علم نہیں۔نسخۂ مطبع سلطان المطابع [۱۲۶۶ھ(۱۸۵۰ء)] کو، جو اِس مثنوی کی اشاعتِ اوّل ہے، معاون نسخے کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے۔مثنوی زہرِ عشق کا نسخۂ مطبع شعلۂ طور کان پور [۱۲۶۲ھ(۱۸۴۶ء)] اب تک

کی معلومات کے مطابق اِس مثنوی کا قدیم مطبوعہ نسخہ ہے۔ صحتِ متن کے لحاظ سے بھی یہ بہتر اور معتبر نسخہ ہے، اِس بنا پر اِسی نسخے کو اساسی نسخے کی حیثیت سے سامنے رکھا گیا ہے۔'' (۲۲)

مثنویاتِ شوق کی ترتیب وتدوین میں رشید حسن خاں کو چونکہ قیاسی تصحیح سے بھی مدد لینا پڑی ہے۔ اس لیے انھوں نے اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا ہے اُس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ ممکن حد تک اساسی نسخوں کے متن کو نہ بدلا جائے، اُس میں کوئی ترمیم یا تبدیلی نہ کی جائے، ہاں جن مقامات پر واضح طور پر غلطی کتابت ہے، تو دوسرے نسخوں کی مدد سے اُس کی تصحیح کی گئی ہے اور اختلافِ نسخ یا ضمیمۂ تشریحات میں اُس کی لازمی طور پر نشان دہی کی گئی ہے۔ اِسی طرح جن چند مقامات پر نہایت درجہ واضح طور پر اساسی نسخوں کے مقابلے میں دوسرے قابلِ ذکر نسخوں کا متن ترجیحی حیثیت رکھتا ہے، ایسے مقامات پر ترجیحی صورت کو اختیار کیا گیا ہے اور ضمیمۂ تشریحات میں اُس کی وضاحت کی گئی ہے؛ لیکن اِس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اساسی نسخوں کے متن کو ممکن حد تک برقرار رکھا جائے، اگر مفہوم کے تعین کی صورت نکل سکتی ہو۔ قیاسی تصحیح سے میں نے بہت کم کام لیا ہے۔'' (۲۳)

حسبِ معمول اس میں بھی طویل مقدمہ، پھر متن اور پھر ضمیمہ جات ہیں۔ ہر حصے کی اپنی افادیت ہے۔ البتہ تشریحات کے ضمیمے میں بعض عبارتیں واوین میں ہیں اور اُن پر کوئی حوالہ درج نہیں۔ اس کی وضاحت رشید حسن خاں نے مقدمے میں کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان مثنویوں میں کئی مقامات پر ایسی کچھ باتیں مذکور ہیں جن کا تعلق شیعہ عقائد یا روایات سے ہے۔ اِس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شاعر مذہباً شیعہ تھا۔ میں نے محض ازراہِ احتیاط ایسے مقامات کی وضاحت کے سلسلے میں یہ مناسب سمجھا کہ ضروری خیال کیا کہ کسی راسخ العقیدہ شیعہ سے معلومات حاصل کروں۔ کسی شیعہ عالم یا فقہ جعفری کے ماہر سے میرے روابط نہیں۔ ایسے خاصگانِ بارگاہِ خداوندی سے ایک گناہ گار کے روابط ہو بھی کیسے سکتے ہیں اور احتیاط کے تقاضوں کی پاس داری بھی لازم تھی۔ میرے حلقۂ متعلقین میں نیر مسعود صاحب اس لحاظ سے بھی متعارف حیثیت رکھتے ہیں۔ میں ایسے مقامات کے متعلق اُن سے دریافت کرتا رہا اور ضمیمۂ تشریحات میں اُنھی کے خطوط کی متعلقہ عبارتوں کو درج کر دیا۔ یہ سب عبارتیں واوین میں ہیں۔ ہر جگہ حوالہ کیا دیا جاتا۔ اس لیے یہاں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ ضمیمۂ تشریحات میں جو تشریحی عبارتیں واوین میں مقید ہیں اور کسی کا حوالہ مندرج نہیں، وہ سب نیر مسعود صاحب کے خطوں کے اقتباسات ہیں۔'' (۲۴)

مثنویاتِ شوق'' ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی لیکن یہ اشاعت سے پہلے ہی مقدمے کے بعض اندراجات کی وجہ سے نزاعی بن گئی تھی۔ اس سلسلے کی کچھ تفصیل ڈاکٹر شمس بدایونی نے اپنے مضمون میں پیش کی ہے۔ جس سے اس

بحث کے کچھ نقوش سامنے آتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جولائی ۱۹۹۶ء کے ''آج کل'' میں رشید حسن خاں کا مضمون ''مثنویاتِ شوق منع ِ اشاعت'' شائع ہوا۔ اس میں ان کا موقف یہ تھا کہ نظامی بدایونی سے اپنے تجارتی مقاصد کے پیشِ نظر شوق کی مثنویوں کے بارے میں ایک فرضی حکومتی آرڈر کی بنا پر اس کی اشاعت کے منع ہونے کی خبر پھیلائی۔ جس کے پیچھے مقاصد یہی تھے کہ لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور کتاب زیادہ فروخت ہو۔ ڈاکٹر شمس بدایونی نے چونکہ نظامی بدایونی پر مقالہ تھا اور اس میں ایک طرح سے انھیں ہیرو ثابت کرنا چاہا تھا۔ لہٰذا انھوں نے اپنی اس جذباتی وابستگی کی بنا پر مدیر کو خط لکھا اور بعض اور اہلِ لکھنؤ نے بھی مدیر کو خط لکھے جن میں رشید حسن خاں پر اعتراضات کے انداز میں بعض سوال کیے گئے تھے۔ انھوں نے جوابات بھی دیے۔ لیکن یہاں تک ابھی علمی اختلاف کو علمی انداز سے حل کرنے کی صورت نظر آتی ہے۔ اس کے بعد ماہنامہ ''ایوانِ اُردو'' نئی دہلی کے اپریل ۱۹۹۸ء کے شمارے میں رشید حسن خاں کا مضمون ''مثنویاتِ شوق لکھنؤی معاشرے کے آئینے میں'' شائع ہوا۔ یہاں سے اس علمی بحث نے جذباتی رنگ اختیار کر لیا۔ رشید حسن خاں کے مضمون کا یہ حصّہ اُن کے مقدمے کی تمہید کے طور پر شامل ہے جس میں مثنویاتِ شوق کی بنیاد پر انھوں نے پوری لکھنؤی تہذیب کو ان مثنویوں کے آئینے میں دیکھتے ہوئے ایک طرح سے یک طرفہ رائے ظاہر کر کے لکھنؤی تہذیب کے ایک خاص پہلو کو جو زیادہ تر دربار اور اس کے متعلقین سے وابستہ تھا، اس کو پوری تہذیب کا نمائندہ بنا دیا۔ ان کی یہ رائے ملاحظہ ہو:

> ''شجاع الدولہ کے جانشین آصف الدولہ تھے۔ اُن کو ورثے میں تلوار کے بجائے صرف عیش طلبی ملی تھی۔ وہ اپنے اجداد کے عزم و ہمت سے تہی دامن اور مجہول تعیش کے جذبات سے سرشار تھے۔ اُنھوں نے فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو اپنا مستقر اور مرکزِ حکومت بنایا۔ اُس وقت تک تلوار کی جھنکار فضا میں تحلیل ہو چکی تھیں۔ عسکریت اور سخت کوشی کے وہ سارے عوامل ختم ہو چکے تھے جو اس خاندان کی یادگار تھے اور وہ روایتیں بڑی حد تک بے نور ہو چکی تھی جو برہان الملک اور اُن کے رفیقوں کے ساتھ دہلی سے آئی تھیں۔ یہ نئی معاشرت، جس کی تشکیل خاص حالات میں ہوئی تھی، نفاست و لطافت کے عطر مجموعہ میں بس چکی تھی اور عیش کوشی کی تمنا اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔ تعیش نے کاہلی، ہوس ناکی، نسائیت اور سطحیت کے فروغ کا سامان فراہم کر لیا تھا۔ صناعی اپنی حدوں سے گزر کر تصنع کا روپ دھار چکی تھی، لیکن طمع کا یہ عالم تھا کہ ان سب پر مرصع آدابِ زندگی کا دھوکا ہوتا تھا، سچے کام کی چھوٹ پڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ زندگی صلابت کے عناصر سے خالی ہو کر صرف نفاست کے رنگ میں رنگتی جا رہی تھی۔ اس یک رُخے پن کے اثر سے توازن ختم ہو گیا تھا جو زندگی کو لطف اندوزی اور سخت کوشی دونوں جذبات سے سرشار رکھتا ہے، نسائیت اور مجہولیت کو دور رکھا کرتا ہے اور کسی ایک دائرے کا قیدی نہیں بننے دیتا۔'' (۲۵)

رشید حسن خاں نے اس کے بعد کے فرماں رواؤں کو اس سے بھی زیادہ عیاش ظاہر کیا ہے اور رعایا کو بھی

حکومتی اثرات میں دیکھا۔لکھنؤی تہذیب کے مذہبی پہلوؤں کو بھی انھوں نے لکھنؤ ی شاعری کے پس منظر میں دیکھا۔اوراس سلسلے میں طوائف کو بھی بہ طور خاص موضوع بنایا وہ لکھتے ہیں :

''طوائف کو اس معاشرے میں تہذیبی نمایندگی کا شرف مل گیا تھا۔طوائف [پوری دنیا کی طرح] سارے ہندستان میں تھی۔دہلی میں بھی تھی ؛مگر وہاں اُس کو وہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی جو اس معاشرے میں حاصل تھی۔دہلی تو پھر بھی دور تھی ؛ وہ علاقے جو لکھنؤ سے ملے ہوئے تھے اور حکومت لکھنؤ کے ماتحت تھے، جیسے ملیح آباد اور کاکوری ؛ وہاں بھی طوائف کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہوسکی۔کہیں اور اُس کو یہ حیثیت حاصل ہو بھی نہیں سکتی تھی،۔وہ حالات ہی کہیں اور کارفرما نہیں تھے، جن سے لکھنؤ کی اُس خاص معاشرت کی صورت گری ہوئی تھی۔اُس معاشرے میں طوائفوں کی اہمیت اور حیثیت کا اس سے بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عزاداری جیسی مذہبی چیز بھی اُن کی دسترس سے باہر نہیں رہتی تھی۔''(۲۶)

غرض یہ کہ لکھنوی تہذیب کے ایسے مظاہر جو اس تہذیب کا صرف ایک جز و تھے اور سرکاری سرپرستی کی وجہ سے ایسے تہذیبی عناصر کا چرچا زیادہ ہوا۔اس کے علاوہ مرثیے اور منقبت کے علاوہ لکھنوی شاعری کا زیادہ حصہ بھی اسی تہذیب کے اس رخ کو پیش کرتا ہے۔سو رشید حسن خاں نے پوری تہذیب کو ایسا ہی قرار دیا۔یہ اُن کا سہو ہوسکتا ہے جس کو وہ بدلنے کے لیے بھی تیار ہوگئے تھے لیکن ایک تو تاریخ اور نقد وادب کی کتابوں سے حوالے بھی اُن کے پاس موجود تھے۔دوسرا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُن کا اس ساری بحث سے مقصد کچھ اور تھا جس طرف توجہ نہیں دی گئی اور اس بحث کے صرف ابتدائی حصے کے پیش نظر جذباتیت اختیار کر لی گئی۔اور عوامل بھی ہو سکتے ہیں۔لیکن اصل یہی ہے کہ ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے اس مضمون کے آخری حصے کو نظر انداز کر دیا گیا۔اب پہلے رشید حسن خاں کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''ادبی وشعری روایت کو اور سماجی حقائق کو نظر انداز کر کے ہمیں فیصلے نہیں کرنا چاہیے۔آج ہم میں سے کون اس کے لیے آمادہ ہو سکے گا کہ عالمی ادب کے ایسے شاہ کاروں کو دریا برد کر دے جن کو مذہب اور اخلاقیات کی بارگاہ سے منظوری کا پروانہ نہیں مل سکا ہے اور نہیں مل سکے گا۔جو لوگ اس سلسلے میں کچھ زیادہ رقیق القلب ہوں، اُنھیں چاہیے کہ منٹو اور عصمت پر فحاشی کے تحت جو مقدمے چلائے گئے تھے، اُن کی روداد کو ایک بار پڑھ لیں اور اس سلسلے میں اس زمانے کی اساطین ادب نے جو بیانات دیے تھے، اُن کا مطالعہ کر لیں۔''(۲۷)

رشید حسن خاں کے اسی اقتباس کے ساتھ نواب مرزا شوق کی مثنویوں کو ذہن میں لائیں تو ساری بحث کی سمجھ آ جاتی ہے کہ اصل میں رشید حسن خاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان مثنویوں کو اخلاق باختہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو یہ غلط رویہ ہے۔گویا وہ ان مثنویوں کی ترتیب واشاعت کا جواز فراہم کر رہے ہیں جو غلط نہیں ہے۔اسی وجہ سے اُن کو لکھنوی تہذیب کا وہ رخ دکھانا پڑا۔جو ان مثنویوں سے میل کھاتا ہے۔بتانا یہی مقصود تھا کہ اگر لکھنوی تہذیب

کے ایسے عناصر کو تاریخ سے دیکھا ہے تو ان مثنویوں کو بھی بار ملنا چاہیے۔

میر حسن کی مثنوی **سحر البیان** اردو مثنوی کی معراج ہے۔ اس شاہکار کو بھی رشید حسن خاں کی تدوین نے حیات نو بخش دی ہے۔ اس کی تدوین میں انھوں نے بنیادی متن کے طور پر نسخۂ فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۵ء) کو پیش نظر رکھا ہے۔ وہ اپنے بنیادی متن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''**سحر البیان** کے متن کی بنیاد نسخۂ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کو بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا، اس متن کے جس قدر نسخے پیش نظر ہیں، اُن سب میں درستی متن اور اہتمام صحت متن کے لحاظ سے یہ نسخہ بہتر مل کہ بہترین ہے اور معتبر بھی ہے۔ اس متن کے ساتھ میر شیر علی افسوس کا نام وابستہ ہے (اس کی بحث آ چکی ہے) جو میر حسن سے ''دوستی دلی'' رکھتے تھے اور دس برس تک ایک ہی سرکار میں دونوں کا ساتھ رہا ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں وہ میر حسن کی زبان اور انداز بیان کو بہتر طور سمجھ سکتے تھے اور وہ خود بھی اس زمانے کے ممتاز نثر نگار تھے اور اچھے شاعر۔ اُن کی انھی صفات کی بنا پر گل کرسٹ نے اچھے کتابوں کے متن پر ان سے نظر ثانی کرائی تھی (اس کی تفصیل آ چکی ہے)۔ اس سے اُن کی اہمیت اور اُن کے صاحب نظر ہونے کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُن اچھے کتابوں میں میر امن کی باغ و بہار بھی تھی اور میر بہادر علی حسینی کی نثر بھی، جو میر حسن کی اسی مثنوی کی نثری صورت ہے۔''(۲۸)

رشید حسن خاں کی مرتبہ اس کتاب کا سب سے مفصل جائزہ ڈاکٹر حنیف نقوی نے پیش کیا ہے۔ وہ اس میں پیش کیے جانے والے متن کے معتبر اور مستند ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مختلف نسخوں کے تقابلی مطالعے کے بعد ان میں سب سے زیادہ قابل اعتبار یا صحیح ترین نسخے کا انتخاب کر کے اسے متن کی بنیاد بنا لینا اور باقی نسخوں کے اختلافات زیریں حاشیوں میں یا متن کے آخر میں سلسلہ وار درج کر دینا دشوار کام نہیں ہے۔ عموماً ہوتا یہی ہے اور اسی کو تدوین متن کا نام دے کر سرخ روئی حاصل کر لی جاتی ہے، لیکن اس سے تدوین کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ تدوین کا اصل مقصد کسی متن کو اس کے مصنف کی منشا کے عین مطابق پیش کرنا ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک پیرایۂ بیان کو پورے غور و فکر کے ساتھ پرکھا جائے اور اگر کسی جگہ پیش نظر بنیادی متن سے اختلاف کی ضرورت محسوس ہو تو مشکوک لفظ یا مجموعۂ الفاظ کی جگہ مرجح لفظ یا مجموعۂ الفاظ کو داخل متن کر کے حاشیے میں اس کی وجوہات مدلل طور پر بیان کر دی جائیں۔ خاں صاحب اس سلسلے کی تمام کتابوں میں اسی طریق کار پر عامل رہے ہیں۔''(۲۹)

اس کے بعد ڈاکٹر حنیف نقوی نے بڑی تفصیل کے ساتھ ''سحر البیان'' کے مقدمے اور ضمیموں کی اہمیت و افادیت کو بیان کیا ہے۔ اس کے بارے میں مجموعی طور پر بھی ان کی رائے سے رشید حسن خاں کی اس کاوش علمی کی

جو معنویت سامنے آتی ہے ۔ وہ ان کے اس ایڈیشن کے شایان ہے لیکن انھوں نے چند مقامات پر رشید حسن خاں سے اختلاف بھی کیا ہے اور وہ اہم بھی ہے ۔ ڈاکٹر حنیف نقوی کی پہلے یہ رائے ملاحظہ کیجیے:

> ''فاضل مرتب نے **سحرالبیان** کے اس ایڈیشن کو جس قدر مستند و معتبر اور مفید و کارآمد بنانے کی کوشش کی ہے، وہ پیش کردہ تفصیلات سے بہ خوبی ظاہر ہے ۔ املا، اعراب اور رموز و اقاف کے سلسلے میں انھوں نے جو اہتمام کیا ہے، اس کا ذکر بھی گذشتہ سطور میں آ چکا ہے ۔ ان سارے لوازم کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں سہو کتابت، اغلاط املا اور اصل متن سے انحراف کی مثالیں تقریباً مفقود ہیں ۔ البتہ کہیں کہیں کسی بیان یا مشاہدے، خارج از متن یا زائد اشعار کے ردّ و قبول کے کسی معاملے، یا متن کی کسی مجوزہ صورت سے اختلاف کی گنجائش ضرور موجود ہے، لیکن یہ کوئی حیرت انگیز یا غیر متوقع بات نہیں، کیوں کہ کسی انسانی کارنامے کا ہر نقص سے پاک یا ہر نہج سے مکمل ہونا لوازم بشریت سے ماورا ہے ۔ تاہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس قسم کی مثالیں ایک بیش بہا گنجینۂ گوہر کے مقابلے میں چند حرف ریزوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں ۔ سطور ذیل میں ان میں سے چند کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔''(۳۰)

اس کے بعد انھوں نے آٹھ ایسے مقامات کی نشاندہی کی ہے جہاں رشید حسن خاں کے بعض اندراجات سے دلائل کے ساتھ علمی اور اصولی اختلاف کیا ہے ۔ ان میں سے صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے ۔ مثنوی **سحرالبیان** کا شعر نمبر ۵۸۹ یہ ہے:

کہوں اس کے گل تکیوں کا کیا بیان کہ بے وجہ رکھتا نہ تھا گال وہاں

ڈاکٹر حنیف نقوی اس شعر کے بارے میں رشید حسن خاں کی وضاحت کے باوجود یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ:

> ''شعر نسخۂ کلکتہ میں موجود نہیں ۔ باقی بارہ نسخوں میں سے بھی یہ صرف دو نسخوں میں پایا جاتا ہے ۔ فاضل مرتب کا ارشاد ہے کہ ''اسے دو وجہوں سے شامل متن کر لیا گیا ۔ ایک تو یہ کہ معنویت کے لحاظ سے یہ بے جوڑ نہیں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ شعر آزاد اور انجمن دو نسخوں میں ہے''۔ (ص ۳۲۱) آزاد اور انجمن سے مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی (پاکستان) کے نسخے مراد ہیں، جو بالترتیب سنہ ۱۲۰۶ھ (۹۲-۱۷۹۱ء) اور سنہ ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ء) کے لکھے ہوئے ہیں، اور بہ اعتبار زمانہ دوسرے نسخوں پر مقدم ہیں، لیکن ان دونوں نسخوں میں ایسے متعدد اشعار موجود ہیں جنھیں الحاقی قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔ اس صورت میں صرف ان دو نسخوں میں موجودگی کسی شعر کے استناد کی دلیل نہیں بن سکتی ۔ قطع نظر اس سے تسلسل بیان کے لحاظ سے یہ شعر قطعاً بے جوڑ بلکہ زائد از صرف معلوم ہوتا ہے ۔ پھر ''کہوں کیا بیان'' جیسا پیرایۂ بیان بھی میر حسن سے متوقع

نہیں۔''(۳۱)

یہ شعر متن میں بے جوڑ نہ بھی ہو اور زبان و بیان کے اعتبار سے میر حسن کے معیار پر نہ بھی پورا اترتا ہو تب بھی رشید حسن خاں سے سوال باقی رہتا ہے کہ انھوں نے 'نتیجۂ آزاد اور 'نتیجۂ انجمن کے باقی اشعار کو اگر الحاقی قرار دیا ہے تو اس کو کس اصول کے تحت شامل کیا گیا ہے۔

رشید حسن خاں کو شروع ہی سے لغت کے موضوع سے خاص دلچسپی تھی۔ان کے تحقیقی مضامین کا آغاز ہی لغت کے موضوع سے ہوتا ہے۔ان کی مرتبہ کتاب ''مصطلحاتِ ٹھگی'' بھی دراصل لغت ہی کا موضوع ہے لیکن یہ چونکہ علی اکبر الہ آبادی کی کتاب کی تدوین ہے اس لیے اسے تدوین ہی کی ذیل میں رکھا جائے گا۔یہ کتاب رشید حسن خاں کے چھٹے تدوینی شاہکار کے طور پر ۲۰۰۲ء میں سامنے آئی ہے لیکن جس طرح رشید حسن خاں کو لغت سے دلچسپی شروع ہی سے تھی اسی طرح ایسے موضوعات جو معمول کے علمی و ادبی موضوعات سے ہٹ کر ذرا انفرادیت کے حامل تھے یہ بھی شروع ہی سے ان کے پسندیدہ رہے ہیں۔اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب شروع میں لغت کی بعض کتابوں کو انھوں نے موضوع بنایا تو اس کمی کو ضرور محسوس کیا کہ ہمارے لغت نگار اخلاقی ضابطوں کی ناروا پابندیوں کی وجہ سے بہت سارے الفاظ کو لغت میں جگہ نہیں دیتے۔مصطلحات ٹھگی کا کوئی نسخہ بھی غالباً اسی زمانے میں اُن کے پاس تھا۔''اردوے معلیٰ'' کے قدیم اردو نمبر میں اسی سے ایک انتخاب بھی انھوں نے شامل کیا تھا۔لیکن اس کی تدوین کی نوبت بہت تاخیر کے بعد آئی۔اس کتاب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''ٹھگ پھانسی کا رومال مقتول کے گلے میں کیسے ڈالتے تھے، ٹھگ بننے کے لیے کس طرح کی تربیت ضروری تھی، کن رسموں کی بجا آوری لازم تھی اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ ٹھگوں کی زبان کے اصطلاحی الفاظ سے واقفیت حاصل ہو، جو لغت نگاری کے لحاظ سے اور لسانیات کے نقطۂ نظر سے بہت ضروری چیز ہے؛ یہ کتاب واحد بنیادی ماخذ ہے اس ساری معلومات کے حصول کا۔اسی بنا پر یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کتاب کے متن کو تدوین کے طریقہ کار کے تحت مرتب کیا جائے سماجیاتی مطالعے، لسانیاتی تجزیے اور لغت نگاری؛ ان تینوں اہم موضوعات کے لیے یہ کتاب بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، یوں اس کا مرتب کیا جانا ایک ضروری کام تھا۔''(۳۲)

رشید حسن خاں نے اس فرہنگ کو لغت کے جدید طریقوں کے پیشِ نظر مرتب کیا ہے۔مفصّل مقدمے میں سب ضروری مباحث انھوں نے سمیٹ لیے ہیں۔جس میں ٹھگوں کے بارے میں بعض نئی معلومات آج کے قاری کو ملتی ہیں۔ڈاکٹر رضیہ حامد اس کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ''اس فرہنگ کو رشید حسن خاں نے لغت کے جدید کے طریقے کے مطابق مرتب کیا ہے۔رشید حسن خاں کو اردو کے کلاسیکی متون مرتب کرنے میں کمال کا درجہ حاصل ہے۔آپ کا مزاج

محققانہ اور ناقدانہ ہے ۔جس متن پر کام کرتے ہیں اس کے پہلے اڈیشن سے لے کر آخری اڈیشن تک کو ڈھونڈ نکالتے ہیں اور متن کے معمولی معمولی فرق کو واضح کرتے ہیں ۔لسانی امور پر رشید حسن خاں کا شعور پختہ اور نظر نکتہ رس ہے ۔رشید حسن خاں نے ''مصطلحات ٹھگی'' کی ابتدا میں ایک طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں ٹھگوں کی مذہبیت ،عقیدہ اور شگون پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے ۔شگون کا عمل ٹھگوں میں بہت پایا جاتا تھا ۔رشید حسن خاں نے مختلف لفظوں کے تحت اچھے اور برے شگون کی تفصیل بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ ٹھگی کا فروغ ایک عقیدہ کے طور پر ہوا ۔انھوں نے روایت اول اور روایت آخر کے لفظوں کی تعداد کا تناسب کیا ہے ،اس کی نشان دہی حاشیہ میں کر دی ہے اس طرح علی اکبر الہ آبادی نے سلیمن کی کتاب میں کتنے لفظوں کا اضافہ کیا، بہ آسانی معلوم ہو جاتا ہے ۔''(۳۳)

انسدادِ ٹھگی کے لیے حکومت برطانیہ نے ولیم سلیمین کو مقرر کیا تھا ۔اس نسبت سے اس زمانے کے بے شمار ٹھگوں کو گرفتار کیا گیا اور بعض کو وعدہ معاف گواہ بنا کر اُن سے بہت سی معلومات جمع کیں اور اسے ''رماسیانا'' کے نام سے مرتب کیا ۔پھر انھوں نے علی اکبر الہ آبادی سے مصطلحات ٹھگی اردو میں مرتب کروائی اور ایک فارسی میں ۔علی اکبر نے مصطلحات ٹھگی پر نظر ثانی کی اور اسے از سر نو لکھا ۔اس طرح یہ چار روایتیں بن جاتی ہیں ۔رشید حسن خاں نے ان چاروں روایتوں کو سامنے رکھا اور ان کی مدد سے وہ سارے الفاظ یکجا کر دیے ہیں جو ان چاروں میں بعض کسی ایک میں تھے اور بعض دوسری میں ۔اس طرح ایک اچھا خاصا الفاظ کا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جو اردو لغت کی روایت میں قابل قدر اضافہ ہے ۔ڈاکٹر نیر مسعود اپنے تبصرے میں اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

''یہ محض فرہنگ نہیں ہے ،قاری اس کے مطالعے سے ٹھگوں کی پر اسرار دنیا میں داخل ہو جاتا ہے اور ان عجیب و غریب سفاکوں کے ساتھ بھی وقت گزار لیتا ہے ۔اس طرح اس کا مطالعہ بہت دل چسپ ،کہیں کہیں میڈوز ٹیلر کے ناول سے بھی زیادہ دل چسپ ہو جاتا ہے ۔''(۳۴)

فضیل جعفری نے بھی بہت علمی انداز سے اس کتاب کی اہمیت کو بیان کیا ہے ۔وہ لکھتے ہیں :

''رشید حسن خاں نے اس کتاب کا جو مبسوط دیباچہ لکھا ہے وہ دراصل کتاب سے کہیں زیادہ دلچسپ اور معلومات افزاء ہے ۔انہوں نے اپنے دیباچے میں ٹھگوں کے جرائم ،ان کے مخصوص عقائد ،ٹھگی کے ذریعے نجات کے تصور ،اس زمانے کے سماجی عوامل ،شگون ،ٹھگوں کے مذہب ،اختلافات اور مطابقت اور ان تمام اجزاء کے لسانی تجزیے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے ۔

کتاب کے اصل متن کے آخر میں خاں صاحب نے ٹھگوں کی لغت میں شامل اور مستعمل سینکڑوں الفاظ ،اصطلاحوں اور تراکیب کے معنی کو اسی طرح بیان کیا ہے کہ جو ٹھگی کے موضوع پر کتابیں لکھنے والے مصنفین کے بس کی بات نہیں تھی ۔ابتداء سے آخر تک ''مصطلحات ٹھگی''

میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ دلچسپ بھی اور ہمارے علم میں اضافہ کا سبب بھی ۔اس کتاب سے لطف اندوز ہونے میں کوئی بھی تبصرہ اس وقت تک قاری کے لیے کار آمد نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ مطالعے کے دوران آپ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔''(۳۵)

رشید حسن خاں کے تدوینی کارناموں میں ان کا آخری کارنامہ ''زٹل نامہ'' ہے ۔ یہ ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ۔ اس کی ترتیب و تدوین کے مراحل جاننا ہوں تو رشید حسن خاں کے اسلم محمود کے نام خطوط میں بہت سی معلومات موجود ہیں بلکہ زٹل گوئی کے حوالے سے معاصر سرمایے پر بھی رشید حسن خاں کی خبر فنظر کا علم ہوتا ہے ۔اسلم محمود کے اصرار اور مدد و تعاون سے انھوں نے یہ کام مکمل کیا ۔جعفر زٹلی اردو شاعری کا ایسا شاعر ہے جو عرصے تک نظر انداز کیا جاتا رہا تھا ۔جس طرح کی اخلاقی اور مذہبی پابندیوں کے پیش نظر شعر و ادب کی کسی بھی روایت کو ایک طرح سے صفحہ ہستی ہی سے مٹا دیا جاتا ہے ۔اس کی یہ نمائندہ مثال ہے جعفر زٹلی کی زٹل گوئی اور فحش گوئی کے عوامل و محرکات پر پہلی بار رشید حسن خاں نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کو ایک مثبت سوچ کا حامل شخص قرار دیا ہے ۔جعفر زٹلی کا شمار شمالی ہند کے اوّلین شعرا میں ہوتا ہے اس نسبت سے ان کا کلام بہت سے حوادث سے گزرا اور لطف لینے والوں نے اپنی طرف سے بھی بہت اضافے کیے ۔اس صورت میں اس کے بنیادی متن کا تعین ایک اہم مسئلہ تھا ۔رشید حسن خاں نے اس کی یہ صورت نکالی کہ قدیم ترین نسخوں کی مدد سے ''زٹل نامہ'' مرتب کیا ۔اس متن کو معتبر بنانے کے لیے انھوں نے جو طریق کار اختیار کیا اُس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :

''کلام جعفر کے جو خطی نسخے پیش نظر ہیں ، اُن میں چار مجموعے ایسے ہیں جن کو قدیم نسخے کہا جا سکتا ہے : کلکتہ [۱۲۰۶ھ(۱۷۹۱ء)]، برلن [۱۲۱۰ھ(۱۷۹۵ء)]، آزاد[۱۲۱۱ھ(۱۷۹۶ء)]، لندن [۱۲۱۸ھ(۱۸۰۳ء)] ۔ان میں سے آخری نسخہ لندن اس لحاظ سے کم درجہ ہے کہ اس میں الحاقی اجزا بہت ہیں ۔''اخبارات سیاہۂ دربار معلّٰی'' کی تمہید میں ، مختلف نظموں کے حواشی میں اور ضمیمہ ۲ میں اس سے متعلق بہت سی تفصیلات کی نشان دہی کی گئی ہے ۔اس طرح ایسے تین نسخے رہ جاتے ہیں جو باقی نسخوں کے مقابلے میں زمانی اعتبار سے مقدم ہیں ۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر انھی تین نسخوں (کلکتہ ، برلن ، آزاد) کے مشمولات کو شامل کیا گیا ہے ۔ایسی کوئی چیز اس کتاب میں شامل نہیں کی گئی جو ان تینوں نسخوں میں یا ان میں سے دو نسخوں میں موجود نہ ہو۔''(۳۶)

''زٹل نامہ'' کے پر مغز مقدمے کے بعد متن کے دو حصے ہیں ۔ پہلے حصّے میں ۲۹ نثری ٹکڑے ہیں اور دوسرے حصّے میں ۴۵ منظومات ہیں ۔اس کے بعد تین ضمیمے ہیں ۔ضمیموں کے بارے میں خود رشید حسن خاں کا بیان ملاحظہ کیجیے وہ لکھتے ہیں :

''اس کتاب میں تین ضمیمے شامل کیے گئے ہیں ۔ پہلے ضمیمے میں ایسا کلام شامل کیا گیا ہے جس

کے متعلق مرتب کی رائے یہ ہے کہ جعفر سے اس کا انتساب مشکوک ہے ۔ اصلاً تو یہ کلام غیر معتبر کلام کے تحت آتا ہے؛ مگر بعض خطی نسخوں میں اس کے موجود ہونے کی وجہ سے قطعیت کے ساتھ جعفر سے اس کے انتساب کا انکار تحقیق اور تدوین کی احتیاط پسندی کے خلاف ہوتا ۔ مرتب کی رائے تو یہی ہے کہ یہ کلام جعفر کا نہیں ، بس از روے احتیاط اسے مشکوک سمجھا گیا ہے ۔

دوسرے ضمیمے میں ایسا کلام ہے جو ہر لحاظ سے غیر معتبر ہے ۔ جعفر سے اس کا انتساب کسی بھی صورت میں درست نہیں ۔ یہ الحاقی کلام ہے ۔ تیسرے ضمیمے میں کلام جعفر میں اہم مفرد و مرکب الفاظ کا گوشوارہ شامل کیا گیا ہے ، جس کی مدد سے جعفر کی زبان کی تفہیم اور اس کا تجزیہ بہتر طور پر کیا جا سکے گا ۔'' (۳۷)

واضح رہے کہ تیسرا ضمیمہ ''زٹل نامہ'' کے الفاظ ، افعال اور امثال وغیرہ کا گوشوارہ ہے یہ فرہنگ نہیں ہے ۔ خلافِ معمول رشید حسن خاں نے اس کے آخر میں تشریحات الفاظ کا اہتمام نہیں کیا نہ فرہنگ کو الگ سے الفبائی ترتیب سے شامل کیا بلکہ مشکل الفاظ کے معانی کو ہر صفحے پر آنے والی نظم نثر کے ساتھ ساتھ حاشیے میں ہی لکھ دیا ہے ۔ جس میں بعض حواشی بھی ہیں اور اختلافِ نسخ بھی لیکن زیادہ حصہ الفاظ کے معنی کا ہے ۔ اس کی وجہ رشید حسن خاں نے یہ بیان کی ہے کہ:

''ضروری الفاظ کے معنی ہر نظم کے اشعار کے ساتھ ہی حاشیے میں لکھے گئے ہیں ۔ جعفر کے کلام میں عجیب عجیب لفظوں کی اور مشکل لفظوں کی جو بہتات ہے ، اس کے پیشِ نظر مناسب سمجھا گیا کہ قاری کی نظر فرہنگ کی ورق گردانی کے بغیر اشعار کے معانی کو ساتھ ساتھ بہ آسانی دیکھ سکے ۔'' (۳۸)

رشید حسن خاں کی تدوین کا یہ آخری نقش بھی پورے اہتمام سے شائع ہوا ہے لیکن الفاظ کی تشریحات اور الفاظ کے تلفظ و املا کے بارے میں پچھلی کتابوں میں پیش کردہ ان کی معلومات کی جیسی عادت پڑ چکی تھی ، اس کی کمی کا احساس ہوتا ہے ، اس زمانے میں اُن کی صحت بھی بہت اچھی نہیں تھی ۔ اس وجہ سے یہ پہلا موقع ہے کہ اس میں کمپوزنگ کی بہت سی اغلاط بھی نظر آ جاتی ہیں ۔ بہت سی اغلط کا یہ مطلب نہیں جیسا عموماً اردو کی دوسری کتابوں کا مقسوم ہو چکا ہے کہ فی صفحہ دو چار غلطیاں نکل ہی آتی ہیں ۔ یہ بہت سی اس وجہ سے معلوم ہو رہی ہیں کہ ان کی ضخیم کتابوں میں ایک آدھ غلطی نکالنا بھی جان جوکھم کا کام ہوتا تھا ۔

رشید حسن خاں کی تدوین کے زیرِ بحث آنے والے سات صحیفوں کی وجہ سے اردو تدوین کی روایت جس مقام فائز تک پہنچ سکی ہے نہ ان سے پہلے اور نہ ابھی بہت بعد تک اس کے کوئی امکانات نظر آتے ہیں ۔ تدوین سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مثالی نمونے ہیں اور اس بات کا جائز تقاضا بھی کرتے ہیں کہ آئندہ جو لوگ تدوین کریں کم از کم وہ اس معیار کو برقرار رکھنے کی توفیق تو رکھتے ہوں ۔

حوالہ جات:

(۱) رشید حسن خاں، مرتبہ؛ **فسانۂ عجائب**، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو ہند، طبع اوّل ۱۹۹۰ء، ص: مقدمہ ۱۰۴

(۲) رشید حسن خاں، مرتبہ؛ **فسانۂ عجائب**، ص: ۱۰۴۔۱۰۵

(۳) گیان چند، ''خدائے تدوین''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں کچھ جائزے**، مرتبین: ڈاکٹر محمد آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، نئی دہلی: دربھنگہ مکتبہ الحرا، ۲۰۰۸ء، ص: ۶۷

(۴) عثمانی، ڈاکٹر شمس الحق، ''تبصرہ'' (فسانۂ عجائب، مرتبہ: رشید حسن خاں)، مشمولہ: سہ ماہی **اردو ادب**، نئی دہلی: شمارہ: ۳، ۱۹۹۰ء، ص: ۹۵۔۹۶

(۵) رینا، ڈاکٹر ٹی۔ آر'' رشید حسن خاں: محقق و تدوین نگار (تیسری اور آخری قسط)''، مشمولہ: **ہماری زبان**، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو ہند، ۸ تا ۱۴ فروری ۲۰۱۱ء، ص: ۳

(۶) رشید حسن خاں، مرتبہ؛ **فسانۂ عجائب**، ص: مقدمہ ۱۱۰

(۷) رشید حسن خاں، مرتبہ؛ **فسانۂ عجائب**، ص: مقدمہ ۱۱۰۔۱۱۱

(۸) گیان چند، ڈاکٹر، ''خدائے تدوین''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں**، مرتبین: ڈاکٹر آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، ص: ۷۰

(۹) صدیقی، ڈاکٹر ظفر احمد ''باغ و بہار کی تدوینِ جدید'' مشمولہ: **افکار**، شمارہ: ۷۔۸، کراچی، ص: ۸۶

(۱۰) رشید حسن خاں، مرتبہ؛ **باغ و بہار**، مقدمہ، لاہور: نقوش ۱۹۹۲ء، ص: ۱۲۸

(۱۱) گیان چند، ڈاکٹر، ''خدائے تدوین''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں**، مرتبین: ڈاکٹر آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، ص: ۷۱

(۱۲) رشید حسن خاں، مرتبہ؛ **باغ و بہار**، مقدمہ، لاہور: نقوش، ص: ۱۳۰۔۱۳۱

(۱۳) صدیقی، ڈاکٹر ظفر احمد ''باغ و بہار کی تدوینِ جدید'' مشمولہ: **افکار**، ص: ۹۰

(۱۴) گیان چند، ڈاکٹر، ''خدائے تدوین''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں**، مرتبین: ڈاکٹر آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، ص: ۷۳۔۷۴

(۱۵) گیان چند، ڈاکٹر، ''خدائے تدوین''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں**، مرتبین: ڈاکٹر آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، ص: ۷۴

(۱۶) رشید حسن خاں، **گلزارِ نسیم**، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۴۱۔۱۴۲

(۱۷) گپتا رضا، کالی داس، ''ہمارے خاں صاحب''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں**، مرتبین: ڈاکٹر آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، ص: ۱۹۸

(۱۸) گپتا رضا، کالی داس، ''ہمارے خاں صاحب''، مشمولہ: **رشید حسن خاں کچھ یادیں**، مرتبین: ڈاکٹر آفتاب اشرف، جاوید رحمانی، ص: ۱۹۹

(۱۹) شمیم حنفی، ڈاکٹر، تبصرہ (گلزارِ نسیم مرتبہ رشید حسن خاں)، مشمولہ: سہ ماہی **اردو ادب**، شمارہ اپریل، مئی جون ۲۰۰۰ء، ص: ۱۱۱

(۲۰) شمیم حنفی، ڈاکٹر، تبصرہ (گلزار نسیم مرتبہ رشید حسن خاں)، مشمولہ: سہ ماہی **اردو ادب**، شمارہ اپریل، مئی جون ۲۰۰۰ء، ص: ۱۱۲

(۲۱) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مثنویات شوق**، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۵۷۔۱۵۸

(۲۲) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مثنویات شوق**، ص: ۱۶۱۔۱۶۲

(۲۳) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مثنویات شوق**، ص: ۱۶۲۔۱۶۳

(۲۴) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مثنویات شوق**، ص: ۱۴

(۲۵) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مثنویات شوق**، ص: ۱۸۔۱۹

(۲۶) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مثنویات شوق**، ص: ۲۲

(۲۷) رشید حسن خاں، مرتبہ: **سحرالبیان**، لاہور: مجلس ترقی ادب، اشاعت اوّل، مئی ۲۰۰۹ء، ص: ۱۲۶

(۲۸) حنیف نقوی، ڈاکٹر، **تحقیق و تدوین**، لاہور: بیکن بکس ملتان، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۱۱

(۲۹) حنیف نقوی، ڈاکٹر، **تحقیق و تدوین**، ص: ۲۱۸

(۳۰) حنیف نقوی، ڈاکٹر، **تحقیق و تدوین**، ص: ۲۱۹

(۳۱) حنیف نقوی، ڈاکٹر، **تحقیق و تدوین**، ص: ۲۲۳

(۳۲) رشید حسن خاں، مرتبہ: **مصطلحات ٹھگی**، نئی دہلی: ناشر رشید حسن خاں، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۲۔۳۳

(۳۳) رضیہ حامد، ڈاکٹر، ''تبصرہ'' (**مصطلحات ٹھگی** مرتبہ رشید حسن خاں)، مشمولہ: **ہماری زبان**، ۲۲ تا ۲۸۔فروری ۲۰۰۳ء، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ص: ۶

(۳۴) نیر مسعود، ڈاکٹر، ''تبصرہ'' (**مصطلحات ٹھگی** مرتبہ رشید حسن خاں)، مشمولہ: سہ ماہی **اردو ادب**، نئی دہلی: اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۷۰

(۳۵) فضیل جعفری، ''تبصرہ'' (**مصطلحات ٹھگی** مرتبہ رشید حسن خاں)، مشمولہ: **اُردو بک ریویو**، نئی دہلی: جلد: ۸، شمار: ۹۳۔۹۴، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۰

(۳۶) رشید حسن خاں، مرتبہ: **ذیل نامہ**، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۲۰۰۳ء، ص: ۴۴

(۳۷) رشید حسن خاں، مرتبہ: **ذیل نامہ**، ص: ۴۵

(۳۸) رشید حسن خاں، مرتبہ: **ذیل نامہ**، ص: ۴۵